ماہنامہ

قلندر شعور

فروری ۲۰۱۷ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

من تو شدم، تو من شدی
من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم، تو دیگری

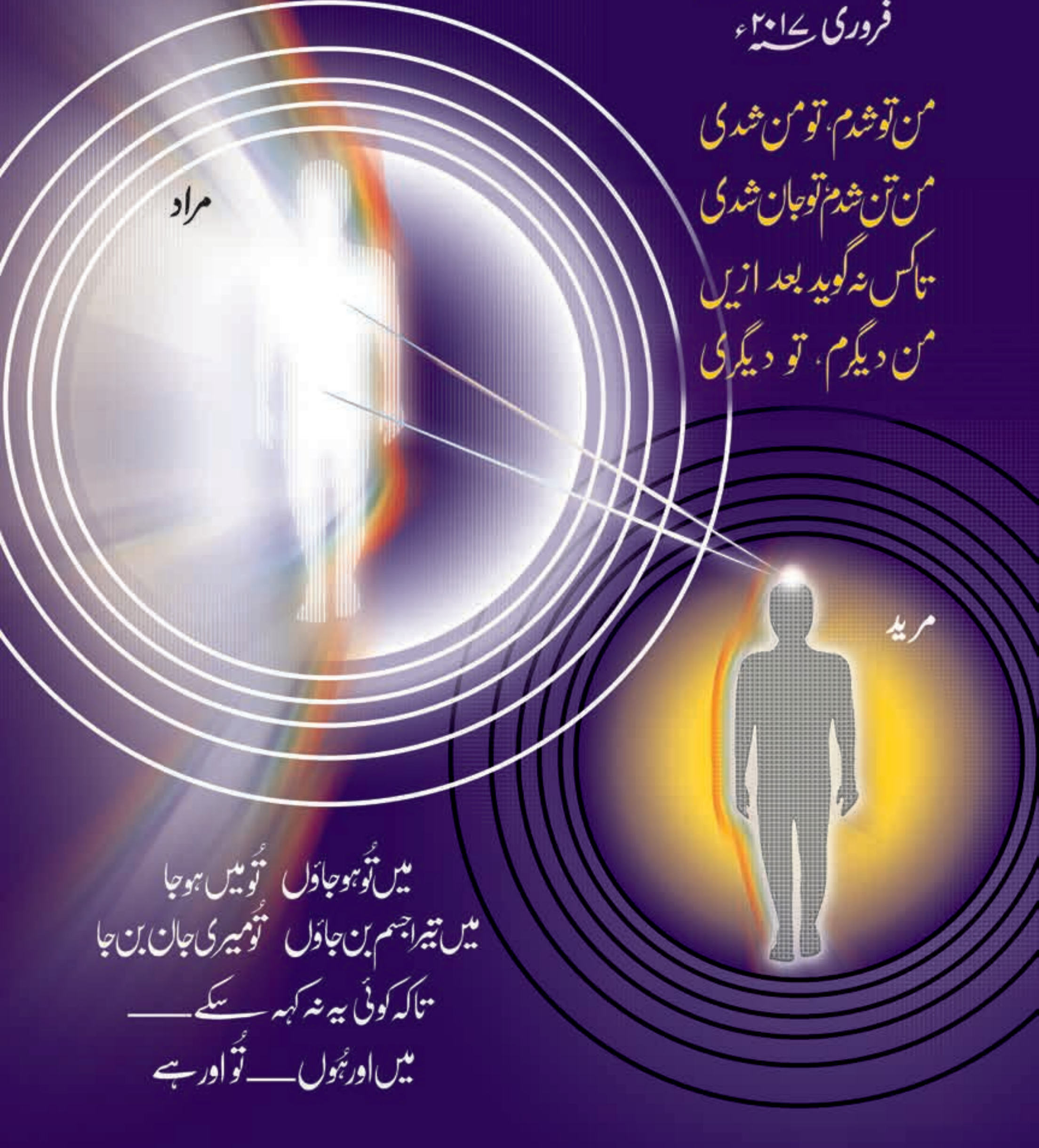

میں تُو ہو جاؤں تُو میں ہو جا
میں تیرا جسم بن جاؤں تُو میری جان بن جا
تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے ـــــ
میں اور ہوں ـــــ تُو اور ہے

جلد 5 شمارہ 1 | فروری 2017ء | جمادی الاولیٰ ـــ جمادی الاخریٰ 1438ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس،
ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 60روپے...... سالانہ ہدیہ 820روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 60امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کا پتا:

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ________ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ 10
نعتِ رسول مقبول ﷺ ________ شاعر لکھنوی (محمد حسن پاشا) 11
رباعیات ________ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ 12
آج کی بات ________ مدیر مسئول 14
فقیر کی ڈاک ________ ادارہ 20
نامے میرے نام ________ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 23
تحقیقی مقالہ کی تلخیص | عالمِ رنگ و بو میں روشنی کا کردار ________ ڈاکٹر ثمینہ عامر (Ph.D.) 27
مراقبہ اور ماورائی لہر ________ ادارہ 33
بجلی کے پردادا ________ اظہر حسین 41
ریکارڈ ___ آواز ___ مظاہرہ ________ عاصم بیگ (B.SE - Software Eng.) 45
یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا ________ عبدالعزیز 51
پانی آگ ہے ___ آگ پانی ہے ________ محمد علی ضیا (M.A-Economics) 57
روحانی سائنس ________ حامد ابراہیم 61
بے لباس ___ لباس ________ سید اسد علی (MBA) 67
راز کی بات ________ ڈاکٹر سعیدہ شفیق میمن 75
بلیک اینڈ وائٹ دنیا | قوسِ قزح کے رنگ ________ ڈاکٹر نعیم ظفر (Ph.D.) 79
سیکنڈ اور منٹ ___ وقت ؟ ________ افتخار احمد 83

حضرت عزیر علیہ السلام ______ ماخوذ 89
مرشد کی باتیں ______ (M.A-Mass Comm.) عائشہ خان 95
رگِ جاں سے قریب ______ شبانہ بانو 101
باولی کھچڑی ______ قارئین 105
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی ______ انڈونیشیا کی لوک کہانی 109
آدھا شعور آدھا لاشعور ______ گلستان احمد 113
نومبر 2016ء کے سرورق کی تشریح ______ قارئین 118
قدرتی کیپسول ______ کوکب شاہ عالم 121
پرتیاہار ______ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 123
اللہ میاں کے باغ کے پھول ______ سونے کے سکّے ______ (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 129
اللہ میاں کے باغ کے پھول ______ چڑیا کی نصیحت ______ رافع احمد 133
آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ______ خواجہ شمس الدین عظیمی 135
Tiny Creations ______ Qudsia Lone (Canada) 145
The Autobiography of the Devil (Iblees) ______ Nasser Abbas (UK) 150
The Death and Birth of Oceans ______ Dr. Naeem Zafar (UAE) 155
Prophet Shuaib (PBUH) ______ Extracted 159
Child at Heart ______ Sohaib Rana (UK) 163
Every Heart is a Mirror ______ Muhammad Zeeshan 168
Message of the Day ______ K. S. Azeemi 172

حمد باری تعالیٰ

تو ہی خالق، تو ہی رازق، تو ہی رب
دوسرا تجھ بن ہے میرا کوئی کب

الغرض ہر کام کا میرے کفیل
ظاہر و باطن تو ہی ہے بے دلیل

لیک صد حسرت باایں لطف و عطا
میں کروں ہر دم تری جرم و خطا

پر کروں کیا آہ تیرے حِلم و خیر
کرتے ہیں مجھ کو گناہوں پر دلیر

ہے یقیں گر عمر بھر عصیاں ہو اب
پیشِ خورشیدِ کرم ہوں محو سب

ہو طلوع تیرا اگر ماہِ نجات
ظلمتِ عصیاں ہو نورِ صالحات

لطف و احساں کیا کروں تیرا رقم
کرتا ہے جو جو کہ تو مجھ پر کرم

قطرۂ ناپاک سے مجھ کو بفضل
کردیا پاک و لطیف و خوب شکل

شاعرؔ لکھنوی (محمد حسن پاشا)

نعت رسولِ مقبول ﷺ

کوئی کیا بتائے کہ چیز کیا یہ گداز عشقِ رسولؐ ہے
جو نہاں ہو دل میں تو آگ ہے، جو نظر میں آئے تو پھول ہے

وہ ادا ہے کتنی لطیف تر جو بنائے لطفِ رسولؐ ہے
وہ نگاہ کتنی حسین ہے ، جو نگاہ ان کو قبول ہے

جو نفس نفس کا ہے مدعا، نہ کہوں حضورؐ میں کیوں بھلا
کہ میرے نبیؐ کو پسند ہے مری داستاں میں جو طول ہے

زہے کیف سجدۂ معتبر کہ میں کھوگیا ہوں جھکا کے سر
مجھے ہوش کیا کہ یہ عرش ہے کہ زمینِ کوئے رسولؐ ہے

جسے اس نظر سے ہیں نسبتیں وہی دل ہے عشق میں کام کا
جو نہ تابِ عکس بھی لاسکا تو وہ آئینہ ہی فضول ہے

تری جستجو میں جو آئے تو مجھے موت بھی ہے عزیز تر
تری آرزو میں ملے اگر مجھے زندگی بھی قبول ہے

درِ مصطفیٰؐ کی تلاش تھی، میں پہنچ گیا ہوں خیال میں
نہ تھکن کا چہرہ پہ ہے اثر، نہ سفر کی پاؤں پہ دھول ہے

یہی شاعرؔ اپنی ہے آرزو، وہ دیار ہو میرے روبرو
کہ جہاں عطا کی ہیں بارشیں، کہ جہاں کرم کا نزول ہے

مٹی میں میکدے

مٹی کی لکیروں میں ہزاروں در ہیں
گر جھانکئے، کتنے میکدے اندر ہیں
مینا ہے،شرابِ ناب ہے، ساقی ہے
ذروں پہ جو غور کیجئے، ساغر ہیں

قرآن کریم

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کی نشانیوں میں غور کرتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ پروردگار تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔'' (اٰل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱)

زندگی کے بارے میں روحانیت کے نظریہ کو ہم عام لفظوں میں Unconventional کہہ سکتے ہیں کیوں کہ اہل روحانیت کے مطابق زندگی اپنی ابتدائی شکل میں ہر چیز میں موجود ہے۔ اگرچہ ذرّوں کی زندگی کی منازل آدمی کی نظر سے مخفی ہیں لیکن جب روحانی انسان شہود کی نگاہ (باطنی نگاہ یا تیسری آنکھ) استعمال کرتا ہے تو اسے ذرّہ کی اتھاہ گہرائیوں میں زندگی کی چہل پہل اور رونق اسی طرح نظر آتی ہے جیسے دنیا کے کسی مصروف بازار میں دیکھی جاتی ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس رباعی میں کچھ اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے کہ انہیں مٹی میں بنی ہوئی لکیروں میں ہزاروں دروازے نظر آتے ہیں، ان دروازوں کے اندر کئی میکدے نظر آتے ہیں جہاں دیگر وسائل بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح اس دنیا میں ہیں۔

روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے جس میں تخلیقی فارمولے برسرِعمل ہیں اور ردوبدل ہو کر مختلف خدوخال کا روپ اختیار کرتے ہیں۔ بظاہر تخلیق مٹی سے مرکب نظر آتی ہے لیکن اس کے پس پردہ جو روشنیاں اور فارمولے کام کر رہے ہیں وہ احسنِ تقویم ہیں۔

مٹی کے یہ ذرات ایک ہی ہیں لیکن ان ذرات کی مقداروں میں ردوبدل سے طرح طرح کی تخلیق وجود میں آرہی ہے۔ مٹی کے یہ ذرات کہیں سرو وسمن، کہیں کوہ و دمن اور کہیں خوش الحان پرندے بن جاتے ہیں اور جب بظاہر مٹی کے یہ بے جان ذرّات زندگی کو اپناتے ہیں تو رنگ رنگ کائنات میں بکھر جاتے ہیں اور ان ہی رنگوں سے جیتی جاگتی دنیا عالمِ وجود میں آجاتی ہے۔

آج کی بات

آپ کو معلوم ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات ہوتی ہے۔کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس کے بعد دن نہ آئے ــــ کوئی دن ایسا نہیں آتا جس کے بعد رات کا اندھیرا نہ ہو۔

★ اگر رات دن زندگی ہے تو سوال یہ ہے کہ زندگی کیا ہے ــــ؟
★ زندگی جاگنے اور سونے کا عمل ہے تو سونا جاگنا کیا ہے ــــ؟
★ زندگی کھانے پینے، نسل بڑھانے کا نام ہے تو بالآخر سب کچھ ختم ہو جانا کیا ہے ــــ؟
★ ختم ہو جانا ہی سب کچھ ہے تو پھر بقا کیا ہے ــــ بقا کا ادراک نہ ہو تو پھر ادراک کیا ہے ــــ؟

سونا اور جاگنا، تقاضوں کی تکمیل کا کامیاب یا ناکام پروگرام ہے۔ بھوک پیاس کو زندگی کہا جائے تو بھوک لگتی ہے ــــ ہم کچھ کھا لیتے ہیں۔ خشک آنتیں پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ اعضا مضمحل ہوں اور جسم تھک جائے ہم سو جاتے ہیں۔

نیند کا غلبہ بیداری سے دور کرتا ہے اور بیداری نیند سے دور کر دیتی ہے۔ بیداری اگر حرکات وسکنات ہے پھر سکوت کیا ہے ــــ؟

زمین پر آنے سے پہلے ہم کہیں تھے، کہاں تھے ہمیں یاد نہیں ــــ کیا آپ کو یاد ہے ــــ؟ نیند کی دنیا میں قدرت ہر روز یاد دہانی کراتی ہے کہ یہاں آنے سے پہلے ہم کہیں تھے اور وہاں زندگی کے شب و روز کیا تھے۔

نینداور بیداری مختلف ہونے کے باوجود مشترک ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ جب کھانا پینا، سونا جاگنا، محبت نفرت، خوشی غم، علم لاعلمی، دیدہ نادیدہ تقاضے ــــ نینداور بیداری میں یکساں ہیں

تو پھر وہ کون سی بات ہے جو رات کو دن اور دن کو رات سے الگ کرتی ہے—؟

بات کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے یکسو ہونا ضروری ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ خیالات کو رد نہ کریں، وہ گزر جائیں گے۔

وقت ایسی بساط ہے کہ شعوری دائرہ کار میں رہتے ہوئے کسی بھی طرح پیمائش ممکن نہیں۔ اسپیس کی مجبوری اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ جس جگہ ہم بیٹھے ہیں وہ ٹھہری ہوئی محسوس ہوتی ہے جب کہ زمین (اسپیس) ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔

اسپیس— ٹائم کی بیلٹ پر متحرک ہے اور دونوں رخ سوچ بچار کا تقاضہ کرتے ہیں۔

وقت گزرتا ہے لیکن نظر نہیں آتا— اسپیس نظر آتی ہے لیکن حرکت محسوس نہیں ہوتی۔

ٹائم اور اسپیس کی چھپن چھپائی سے رات اور دن کے حواس فہم بنتے ہیں۔ بیداری کے حواس میں فاصلہ اور نیند میں وقت غالب ہے۔ حواس میں تفریق— رفتار ہے۔

فارمولا:

حواس (فہم) + رفتار کم = دن

حواس (فہم) + رفتار زیادہ = رات

غالب اور مغلوب— ظاہر اور غیب ہے جب کہ شے دونوں حالتوں میں موجود ہے۔ لمحہ غائب ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور غائب ہو کر مظہر بنتا ہے۔ دوسرا دن ''دوسرا'' اس لئے ہے کہ پہلا دن اس کے اندر موجود ہے۔ بڑھاپے میں جوانی، جوانی میں لڑکپن اور لڑکپن میں بچپن چھپا ہوا ہے۔ ادوار اسپیس اور ادوار کا دورانیہ وقت ہے۔

کسی کی عمر پچاس سال ہے تو پچاس سال میں وقت غالب— وقت میں موجود ادوار میں اسپیس غالب ہے۔ پچاس سال میں—

اٹھارہ ہزار دو سو پچاس (18250) دن رات

چار لاکھ اڑتیس ہزار (438,000) گھنٹے

دو کروڑ باسٹھ لاکھ اسّی ہزار (26,280,000) منٹ

ایک ارب ستاون کروڑ اڑسٹھ لاکھ (1,576,800,000) سیکنڈ ہیں۔

اس میں کچھ بھی کم کرنے سے پچاس سال کی مقداریں متاثر ہوجائیں گی۔لکھنا یہ مقصود ہے کہ پچاس سال میں ایک ارب ستاون کروڑ اڑسٹھ لاکھ سیکنڈ نہیں آتے جب کہ موجود ہیں۔ دو رخ ہر آن وجود رکھتے ہیں۔ جو رخ نگاہ بنتا ہے ہم اس کو ظاہر کہتے ہیں اور جو نظر نہیں آتا اسے غائب کہہ دیتے ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے، ہم اس کے اوپر سے
دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔'' (یٰسٓ:۳۷)

ہماری دنیا کائنات میں سب سے چھوٹا یونٹ ہے —دیگر عالمین کی طرح اس یونٹ میں کسی مقام پر دن تو دوسرے مقام پر رات ہوتی ہے۔مشرق میں رات حاضر لیکن مغرب کے لئے رات غائب ہے۔مغرب میں دن ہے تو مشرق میں رہنے والوں کے لئے دن غائب ہے۔

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے
اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' (لقمٰن:۲۹)

ایسے ممالک بھی ہیں جہاں ایک حصہ میں رات تو دوسرے حصہ میں دن ہوتا ہے۔کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ ایک ہی ملک میں ایک ہی وقت میں رات اور دن کا ایک ساتھ موجود ہونا یا نہ ہونا کیا ہے—؟ رات اور دن کا آنا جانا سورج کے غروب اور طلوع ہونے سے ہے۔

اسکول میں پڑھایا جاتا ہے کہ سورج مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ مغرب میں سورج کا طلوع ہونا دن ہے تو مشرق میں رات ہے۔اس طرح مشرق میں دن، مغرب میں رات ہے۔ایک مقام پر طلوع —دوسرے مقام پر غروب ہے۔

''اللہ ہی رات اور دن کا الٹ پھیر کر رہا ہے۔ اس میں

اولی الابصار کے لئے سبق ہے۔'' (النور:۴۴)

سائنس بتاتی ہے کہ سورج توانائی کا سورس ہے۔ سورج کے گرد گھومنے کے ساتھ زمین اپنے محور پر گھوم رہی ہے۔ محوری گردش سے دن — رات، رات — دن میں تبدیل ہوتی ہے۔ زمین کا جو حصہ سورج کی طرف ہے وہاں دن اور جو حصہ سائے میں ہوتا ہے وہاں رات ہے۔ یہ سائنس کی تحقیق ہے۔ آخری الہامی کتاب قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند

کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک، ایک مقرر وقت تک چلے جا رہا

ہے۔ جان رکھو، وہ زبردست اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (الزمر:۵)

ایسی مخلوقات بے شمار ہیں جن کے لئے رات — دن اور دن — رات ہے۔

دو انچ طویل آبی مخلوق بوب ٹیل رات میں شکار کے لئے نکلتی ہے اور خود کو روشن کرنے کے لئے اپنے اندر بیکٹیریا سے مدد لیتی ہے۔ پیٹ کے نچلے حصہ میں چمکنے والے بیکٹیریا ماحول میں رنگ سے مشابہ روشنی خارج کرتے ہیں۔ بوب ٹیل اس روشنی میں چھپ جاتی ہے اور وہاں موجود کسی مچھلی یا آبی مخلوق کو نظر نہیں آتی۔ اس طرح حملہ سے محفوظ رہتی ہے اور دوسری مچھلیاں دھوکا کھا کر شکار بن جاتی ہیں۔ بوب ٹیل چاندنی سے مشابہ روشنی خارج کرتی ہے تاکہ کیموفلاج میں آسانی ہو۔ دن میں یہ خود کو ریت میں چھپا لیتی ہے۔

ریل روڈ کیڑا بھنورے کی ایک قسم ہے جو رات میں نکلتا ہے۔ جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ اس میں روشنیوں کا رنگ سرخ اور سبز ہے۔ سبز روشنیاں جسم کے دونوں اطراف جب کہ سرخ روشنی سر پر ہوتی ہے جو حملہ کے خدشہ یا کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہے۔

کرم خور لگڑ بھگا (Aardwolf) قریباً دو فٹ لمبا گیدڑ کے جیسا حیوان ہے جو دن بھر

صورت میں تبدیل ہوگئے۔ مقررہ مدت کے بعد من موہنی صورت پردہ میں سے ظاہر ہوئی اور ہر لمحہ تبدیلی کے عمل سے گزری لیکن بنیاد ایک رہی۔

اس طرح سمجھئے کہ ایک دن کا بچہ دو دن کا ہوا — دو دن کا بچہ چار دن کا — چار دن کا بچہ سولھویں دن میں داخل ہوا۔ مفہوم یہ ہے کہ 16 دن غروب ہونے سے 17 واں دن طلوع ہوا۔ غیب ظاہر — ظاہر غیب نے جوانی کا روپ اختیار کیا۔

پانچ منٹ کے لئے آنکھیں بند کرکے غور کیجئے اور بتایئے کیا مناظر دیکھے — ؟

رات اور دن الگ الگ نہیں — ایک یونٹ کے دو رخ ہیں۔ روشنی مغلوب ہوجائے تو رات ہے — روشنی غالب آجائے تو دن ہے۔ یہی بات زندگی کے لئے بھی ہے۔

''رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ زندگی سے موت کو نکالتا ہے اور موت سے زندگی کو۔'' (اٰل عمرٰن : ۲۷)

زندگی کا ایک رخ موت اور دوسرا رخ زندگی ہے۔ ایک عالم میں حیات، دوسرے عالم میں موت ہے اور موت بالآخر حیات ہے۔

دعا گو

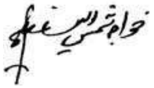

علم حضوری اور علم حصولی میں فرق یہ ہے کہ جب استاد اپنے شاگرد کو تصویر بنانا سکھاتا ہے تو گراف کے اوپر تصویر بنادیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ اتنے خانوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے تو آنکھ بنتی ہے، اتنی تعداد میں خانوں کے اوپر پنسل پھیر دی جائے تو ناک بنتی ہے اور گراف کے اندر چھوٹے خانوں کو اس طرح ترتیب سے کاٹا جائے تو کان بن جاتا ہے۔ شاگرد جتنے ذوق وشوق سے استاد کی راہ نمائی میں گراف کے اندر تصویر کشی کرتا ہے اسی مناسبت سے فنکار بن جاتا ہے۔

جگر، پِتّا اور آنتوں کی حرکات ہیں۔ سات ارب کی آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ارادہ اور اختیار سے اندر کی مشین کو چلاتا ہو۔ مشین مکمل غیر اختیاری طور پر چل رہی ہے۔ اس مشین میں جو ایندھن استعمال ہوتا ہے اس پر بھی آدمی کی دسترس نہیں ہے۔

ثبوت یہ ہے کہ جب آدمی کے اندر کی مشین بند ہو جاتی ہے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت یا توانائی اسے چلا نہیں سکتی۔ یہ مشین قدرتی نظام کے تحت بتدریج بند ہوتی ہے اور ایک دم بھی بند ہو جاتی ہے۔ بتدریج بند ہونے کا نام بیماری ہے اور مشین کے ایک دم بند ہو جانے کو ہارٹ فیل ہونا کہا جاتا ہے۔ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ بیماری کا علاج اختیاری ہے۔ اگر بیماریوں کا علاج اختیاری ہے تو آدمی مر کیوں جاتا ہے — ؟

علیٰ ہذا القیاس زندگی کے بنیادی عوامل اور وہ تمام محرکات جن پر زندگی رواں دواں ہے، اختیار میں نہیں ہیں۔ بااختیار ہونے سے مراد یہ ہے کہ بندہ خود اپنے لئے کوئی ایک راستہ اختیار کرتا ہے۔ جب کہ ہر آدمی کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ نیکی اور بدی دونوں راستوں میں سے کسی ایک راستہ کا انتخاب کرے۔ راستہ اور راستہ کی جزئیات کا تعین پہلے سے ہے، اس میں آدمی کا عمل دخل نہیں۔ آدمی کو صرف ارادہ کا اختیار دیا گیا ہے۔

زندگی کی ہر حرکت، زندگی کا ہر عمل، زندگی کا ہر تصور، ہر ادراک اور احساس دو رخوں میں ردوبدل ہو رہا ہے۔ ایک کا تعلق شیطنت سے ہے اور دوسرے رخ کا تعلق رحمٰن سے ہے۔ جب کوئی آدمی اپنے اوپر ان خیالات کو مسلط کر لیتا ہے اور خود کو دروبست اس راہ کا مسافر بنا لیتا ہے جو شیطان تک لے جاتا ہے تو اس کے اندر اس راستہ کی تمام برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آدمی اگر ارادہ اور اختیار سے مسلسل شیطانی راستہ پر چل رہا ہے تو ظاہر ہے اس کے اوپر اس راستہ میں پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کا تاثر قائم ہوگا۔

فرد ایسے راستہ کا انتخاب کرتا ہے جس راستہ میں ہرے بھرے درخت ہیں، پھول ہیں، سبزہ زار ہے، آبشاریں ہیں تو راستہ کے مناظر سے لطف اندوز ہوگا، درختوں کا سایہ ملے گا، دماغ راستہ میں موجود پھولوں کی خوش بوؤں سے معطر ہوگا، سبزہ زار سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی، آبشار کا صاف و شفاف اور موتی جیسا پانی پینے کو ملے گا اور اس کے اوپر سرور اور وجدان کی کیفیت طاری ہوگی۔

اس کے برعکس دوسرا بندہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس میں خشک اور کانٹوں سے بھرے درخت ہیں، خزاں زدہ مناظر ہیں، راستہ میں ایسے جوہڑ ہیں جن میں تعفن ہے۔ آدمی ان تمام چیزوں سے متاثر ہوگا اور اگر وہ اس راستہ کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے اور وہ راستہ اختیار نہیں کرتا جس میں سرشاری، شادابی، شگفتگی اور آسائش و آرام ہے تو تعفن، الجھن اور بیزاری کی دنیا سے کبھی آزاد نہیں ہوتا۔

آدمی برے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے۔ انسپائریشن کا نظام چلانے والے فرشتے اس کے ذہن میں ترغیب کے ذریعے یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ یہ کام برا ہے اور برے کام کا انجام برا ہوتا ہے۔ آدمی ترغیب کو اہمیت نہیں دیتا اور قدم بقدم آگے بڑھ کر ارادہ کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ فرشتے ڈوریوں کو اس کے ارادہ کے تحت حرکت دے دیتے ہیں اور عمل ریکارڈ ہو جاتا ہے۔

آدمی خلوص نیت سے کسی کی مدد کرتا ہے۔ ارادہ کے مطابق حرکت ہوتی ہے تو اس کے اوپر سکون کی حالت قائم ہو جاتی ہے۔ دونوں آدمیوں نے اپنے ارادہ اور نیت کے تحت عمل کیا۔ جیسے جیسے اس پروگرام کو پورا کرنے کے لئے اقدام کی ضرورت تھی اس کے مطابق ڈوریاں ہلتی رہیں۔ عمل ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ ریکارڈ بھی ہوتا ہے۔ جزا وسزا کا تعین اس ریکارڈ کی بنیاد پر ہے۔

اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ذریعے نوعِ آدم کو یہ بتا دیا ہے کہ سیدھی طرف کا راستہ جنت کا ہے اور الٹی طرف کا راستہ دوزخ ہے۔ چوں کہ فرد کو چلنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لئے اسے یہ اختیار بھی حاصل ہو گیا کہ وہ جو راستہ چاہے اپنے لئے منتخب کر لے۔

دعاگو

خواجہ شمس الدین عظیمی

جون 1999ء

مرکزی مراقبہ ہال، سرجانی ٹاؤن۔کراچی

ولی اللہ سے تمسخر نہیں کرنا چاہیے

حضرت اشرف جہانگیریؒ کی خدمت میں چند حاسدین ایک زندہ شخص کو کفن میں لائے اور درخواست کی کہ نمازِ جنازہ پڑھا دیں۔ طے یہ کیا تھا کہ جب تکبیر ہو تو مردہ اٹھ کر حضرت کو سلام کرے اور کہے، دیکھ لیں آپ کی کرامات، مردہ کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے مذاق اڑانے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت اشرف جہانگیریؒ نے نماز پڑھانے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ بضد ہوئے تو آپ اٹھے اور نمازِ جنازہ شروع کی۔ تکبیر ہوئی اور وہ شخص نہ اٹھا تو ساتھی پریشان ہو گئے۔ قریب آ کر دیکھا تو وہ مردہ تھا۔ کرامت دیکھ کر بہت روئے پیٹے اور معافی طلب کی۔ حضرت اشرف جہانگیریؒ نے انہیں معاف کیا تو مردہ زندہ ہو گیا اور وہ ساتھی کو لے کر واپس لوٹ گئے۔

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کیے جا رہے ہیں۔

پروفیسر نجمہ (پشاور): رسالہ ہر لحاظ سے علمی و معیاری ہے اور حسبِ استعداد ہر ذی شعور فیض پا رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے پشاور مراقبہ ہال کے نگران نیاز احمد عظیمی صاحب نے مرشد کریم کا پیغام پہنچایا کہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو پہلے صفحہ سے آخر صفحہ تک تخصیص و تفریق کے بغیر ترتیب سے پڑھیں تو زیادہ بہتر سمجھ میں آئے گا۔ اس سے پہلے میں من پسند موضوعات پڑھتی تھی۔ حسبِ ہدایت پڑھنا شروع کیا اور حکم کی حکمت واضح ہوئی — نامانوس اور مشکل تحریریں، قابلِ فہم ہوگئی ہیں۔ اس کے باوجود لکھنے والوں سے گزارش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، مضامین کی زبان اور پیرائے کو عام فہم رکھا جائے تا کہ سمجھنے میں مزید آسانی ہو۔ شکریہ

فرحین، جماعت چہارم (کراچی): کہانی ''ہم سب بچوں کے پیارے نبیؐ '' بے حد اچھی لگی۔ میں نے باقاعدگی سے رات کو سیرت طیبہؐ کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں جہاز میں بیٹھی ہوں اور اس کے بعد مسجد نبویؐ میں ہوں اور میں حضرت محمدؐ پر درود و سلام پیش کر رہی ہوں۔ خالہ میرے ساتھ ہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں حج وعمرہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

صائمہ مصدق (کراچی): سیرت پر مضامین بہت معلوماتی تھے۔ دیگر مذاہب میں حضور اکرمؐ سے متعلق بشارتوں پر مضمون تحقیقی ہے۔ بالخصوص پنڈت وید پرکاش کی کاوش اور تاثرات متاثر کن ہیں۔ ہر مذہب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو محبت بانٹتے ہیں اور انسانیت کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو'' تفکر طلب ہے۔ اللہ کا پیغام ایک ہے اور ایمان کی تکمیل کا ایک جز سارے انبیائے کرام پر ایمان ہے۔ پھر ہم فرقوں میں کیوں بٹ گئے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کو ترجمہ سے نہیں پڑھتے اور اس کے پیغام پر غور نہیں کرتے۔ دسمبر کے شمارہ میں ہر مضمون منفرد تھا، سب پر تبصرہ کیا تو خط طویل ہو جائے گا۔ مضامین گل دستہ بن گئے۔

محمد خالد (کوئٹہ): خالدہ زبیر صاحبہ کا مضمون ''خوش بو تیری دو عالم میں ہے اے گلِ چیدہ'' بہت پسند آیا۔ سیرتِ طیبہؐ کے روزانہ مطالعہ سے کیفیات روحانی ہو جاتی ہیں۔

سعدیہ ہارون (اسلام آباد): ''پرتیاہار'' کا ہر ماہ انتظار رہتا ہے لیکن دسمبر 2016ء کے شمارہ میں ''پرتیاہار'' شامل نہیں کیا گیا جس پر مایوسی ہوئی۔ دیگر مضامین معلوماتی اور اچھے تھے۔

اسلم امین (لودھراں): دسمبر کے شمارہ میں قسط وار کہانی ''پرتیاہار'' شامل نہیں کی گئی۔ ہر ماہ اس کا انتظار رہتا ہے۔ براہ مہربانی کوشش کریں کہ اس میں تعطل نہ آئے۔

★ **صفحات کی کمی کے باعث دسمبر 2016ء کے شمارہ میں ''پرتیاہار'' شامل نہیں کیا گیا۔**

زینب حمید (ملتان): ''فقیر کی ڈاک'' بہت اچھا سلسلہ ہے۔ ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو ہم نے کتابوں میں نہیں پڑھیں۔ بیش تر مکتوبات ماضی کے ہیں۔ میں سوال بھیجوں تو کیا جواب دیا جائے گا؟ **(سوال بھیج دیجئے)**

وہاب شاہ (مردان): شعبہ کے لحاظ سے انجینئر ہوں۔ اپنے ایک اسٹاف ممبر کی وساطت سے رسالہ سے متعارف ہوا۔ روحانیت کے منظّم لیکن کٹھن سفر کو سادگی سے پیش کیا گیا ہے۔ میں کبھی کبھار مراقبہ کرتا ہوں لیکن ابھی تک کوئی مشاہدہ نہیں ہوا۔ امید ہے کہ آپ سے ربط کے بعد میری سچائی کی تلاش آسان ہو جائے گی۔

جویریہ سمیع (کراچی): ''ماہنامہ قلندر شعور'' نعمت ہے جس کے لئے ادارہ کا شکریہ۔ آج کی بات، رباعی کی تشریح اور خواب کی تعبیر پسندیدہ سلسلے ہیں۔ دوسروں کی خواب کی تعبیر سے، اپنی غلطیوں کی نشان دہی ہو جاتی ہے۔ مضمون ''دل کی آنکھوں سے دیکھو'' میں تحریر ہے ـــــ کسی کی روحانیت کی طرف توجہ کی جائے تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے، پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

دسمبر 2016ء کے ''آج کی بات'' کے حوالہ سے قارئین کا تفکر:

حنا الماس (لاہور): پانی کے حوالہ سے ''آج کی بات'' پر اجتماعی تفکر کیا گیا اور کئی نکات سامنے آئے۔ نشست میں اکیس خواتین نے شرکت کی اور گروپ کی شکل میں مذاکرہ ہوا۔ خلاصہ پیشِ خدمت ہے ــــ گلاب، رات کی رانی، پہاڑوں سے آبشاروں کا بہنا، پھل، سبزیاں، جسمانی اعضا غرض ہر شے میں پانی ہے۔ پانی سارے رنگ عکس ریز کر کے تخلیقات میں رنگ بھرتا ہے اس طرح کہ شعور رنگین دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔ پانی کی یہ خصوصیت بھی قابلِ احترام ہے کہ پانی ایثار کر کے ہر شے کو خود سے ممتاز کرتا ہے جب کہ پانی ہی اصل ہے۔ جسم

میں پانی کی کمی سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ کسی خاتون کے جسم میں بہت حد تک پانی خشک ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے انہیں آنکھوں کے لئے الگ ڈراپ، زبان کے لئے الگ ڈراپ، مسوڑھوں پر لگانے کے لئے الگ ڈراپ — یعنی ہر عضو کو نم رکھنے کے لئے الگ الگ دوائی دی۔ خاتون نے بتایا کہ ایک بھی دوائی کا ناغہ ہوجائے تو سخت تکلیف سے گزرتی ہیں۔ اباجی! ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں، کم ہے۔ غور و فکر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آپ کا شکریہ۔

اسما شاہد (کراچی): پانی کی ایسی تعریف بیان کی گئی ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں پڑھی۔ پانی میں سارے رنگ موجود ہیں۔ رنگ نظر آتے ہیں لیکن پانی نظر نہیں آتا۔ رنگ بھی اس وقت نظر آتے ہیں جب ذرات اکٹھے ہوں۔ پھر سوال یہ ہے کہ رنگ کیا ہیں—؟ آج کی بات پڑھ کر جو جواب سمجھ میں آیا، وہ خود ایک سوال بن گیا۔

گلِ رعنا (حیدرآباد): کن تصورات کا خول ہے — مخلوق تصور کے سوا کچھ نہیں۔ پانی ایسا تصور ہے جس میں سیرابی ہے۔ پانی سے وجود میں آنے والی ہر شے میں تغیر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پانی میں بھی تغیر ہے کیوں کہ پانی سے بننے والی ہر شے بالآخر پانی میں تبدیل ہوجاتی ہے—؟

حماد احمد (میرپور): پانی کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ پانی میں بہاؤ ہے۔ بہاؤ کا مطلب کہیں سے آنا اور کہیں جانا ہے۔ آسمان میں جو کچھ ہے، پانی میں موجود ہے اس لئے کہ پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر شاہرونہ (لاہور): پانی ایسا شعور ہے جو خود کو لاشمار رنگوں میں ظاہر کرتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ سانس لینے کے لئے پھیپھڑوں اور سینہ کی دیوار کے درمیان پانی کی لطیف تہہ سانس کی آمد و رفت کے لئے ضروری ہے۔

حارث (پشاور): منفی اور مثبت زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جو ایک طرف کشش اور دوسری طرف گریز ہیں جب کہ دل چسپ بات یہ ہے کہ زندگی ایک ہے۔ کشش اور گریز پر نظامِ زندگی قائم ہے۔ پانی میں یہ دونوں رخ موجود ہیں جسے مثبت اور منفیت کہا گیا ہے۔ پانی — اسپیس ہے۔ اسپیس کے درجات ہیں۔ کہیں پر اسپیس قطرہ ہے اور اس قطرہ میں سمندر بھی موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسپیس کیا ہے اور پانی کیا ہے—؟ گھٹنے اور بڑھنے سے اسپیس کے درجات کا تعین ہوتا ہے جب کہ شے ایک ہے۔ بات ساری نظر کی ہے۔

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور

فری ممبرشِپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف پر مشتمل کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

عالمِ رنگ و بو میں روشنی کا کردار

جتنی بیماریاں دریافت ہوچکی ہیں، ان کا علاج رنگ و روشنی سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ جدید سائنسی علاج کے طور پر سامنے آرہا ہے اور نہ صرف موجودہ بلکہ آنے والے دور کی سائنس بھی کہا جارہا ہے۔

کلر تھراپی، فوٹو تھراپی اور لیزر تھراپی (کم درجہ کی) توانائی یا ارتعاشی (وائبریشن) طرزِ علاج میں اہم پیش رفت ہے۔ کلر تھراپی — رنگوں سے اور فوٹو تھراپی — روشنی سے علاج ہے۔ رنگوں سے علاج کی اہمیت یہ ہے کہ یہ برقی مقناطیسی طیف (اسپیکٹرم) کے ایک مخصوص حصہ یعنی رنگ کو علاج کے لئے استعمال کرتی ہے۔

نظریۂ رنگ و نور کے مطابق رنگ اور روشنی جسمِ انسانی اور حیوانی میں مختلف توانائی کی حامل برقی مقناطیسی لہریں Impulse پیدا کرتی ہیں۔ یہ لہریں جسم میں بائیوکیمیکل اور ہارمونل ری ایکشن میں بنیادی عوامل ہیں۔ ان میں جسمانی نظام کو توازن میں رکھنے اور توانائی کی کمی بیشی دور کرنے کی صلاحیت ہے۔

مثلاً مختلف رنگ و روشنیاں براہ راست جسم پر ڈالی جائیں یا کسی رنگ کو دیکھا جائے یا مختلف رنگوں کو پہلے ایک میڈیم میں جذب کرکے استعمال کرنے سے بہر صورت جسم پر اثرات مرتب ہوں گے۔

سوال ہے کہ ایسا کیوں ہے —؟ اس لئے کہ مخلوق بشمول آدمی مختلف رنگوں کا امتزاج ہے۔

”اور یہ جو رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔“ (النحل:۱۳)

کلر تھراپی سے علاج کے مختلف طریقے ہیں۔ چوں کہ یہ براہ راست علاج مانا جاتا ہے اس لئے بے شمار فوائد ہیں۔ رنگ برقی مقناطیسی لہروں کا وہ محدود حصہ ہیں جس کو ظاہری نگاہ دیکھتی ہے۔ رنگوں سے پیدا ہونے والی برقی مقناطیسی لہریں جسم میں ہارمونز کے کام کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ جسمانی نظام تیز کرنے یا دھیما کرنے میں مدد ملتی ہے۔

نظریۂ رنگ و نور کے مطابق ہر تخلیق روشنی کے غلاف میں بند ہے جو طبعی حالت پر اثرانداز ہوتی ہے۔ جسم رنگوں کا مجموعہ ہے، رنگوں سے متاثر ہوتا ہے اور رنگ جسم کے افعال کے ذمہ دار ہیں۔ اعضا اور توانائی کے مراکز

مخصوص فریکوئنسی پر ارتعاش کرتے ہیں۔ مخصوص فریکوئنسی پر ارتعاش نہ ہو تو بیماریاں ظاہر ہوتی ہیں یا جسمانی نظام معمول سے ہٹ جاتا ہے۔

رنگ بیمار خلیوں کے لئے اکسیر ہیں۔ جسم میں روشنیوں کا غیر متوازن ہونا بیماری ہے۔ توانائی دراصل روشنی ہے جو ہم غذا اور سورج سے حاصل کرتے ہیں۔ روحانی معالجین رنگ اور جسم کے تعلق سے واقف ہیں۔ جسم مخصوص ارتعاش (فریکوئنسی) رکھتا ہے۔ فریکوئنسی کا تعلق لہروں سے ہے، لہر روشنی ہے اور روشنی زندگی ہے — روشنی کا جسم پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ جس رنگ کی روشنی میں عدم توازن ہو، اس کا مظاہرہ امراض کی شکل میں ہوتا ہے۔

ہم لہروں کے سمندر میں رہتے ہیں جو ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے لیکن غیر متوجہ رہنے کی وجہ سے ہمیں علم نہیں جب کہ ہم مسلسل مستفیض ہو رہے ہیں۔

مثال: ہم موبائل فون، انٹرنیٹ، بلوٹوتھ، وائی فائی کے ذریعے ہر وقت دوسروں سے منسلک رہتے ہیں۔ ''لہر کا لہر سے تعلق'' ٹیکنالوجی کی بنیاد ہے۔ لہر کو مادہ (Matter) کی اصل تسلیم کر لیں تو مادہ کی ماہیت سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ میٹر میں تفکر سے مادی قوانین اور خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔ گہرائی میں جستجو ایسی دنیا کی خبر دیتی ہے جو مادیت کی بنیاد ہے۔ اسے لہروں یا روشنی کی دنیا کہہ سکتے ہیں۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

''عالمِ رنگ میں جتنی اشیا پائی جاتی ہیں وہ سب رنگین روشنیوں کا مجموعہ ہیں۔ ان ہی رنگوں کے ہجوم سے وہ شے وجود میں آتی ہے جس کو عرفِ عام میں ''مادہ'' کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، مادہ کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے، اگر اس کو شکست و ریخت کر کے انتہائی مقداروں تک منتشر کر دیا جائے تو محض رنگوں کی جداگانہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔''

برقی مقناطیسی لہریں پیغام رسانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ یہ پیغامات ایس ایم ایس ہوں یا انٹرنیٹ کے ذریعے، ہر وقت فضا میں دور کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا میڈیم ہو جو ان پیغامات کو ریسیو کرے۔ میڈیم موبائل فون بھی ہو سکتا ہے اور کمپیوٹر بھی۔ لہروں کے ذریعے تصاویر ایک موبائل سے دوسرے موبائل میں منتقل ہوتی ہیں۔ دونوں موبائل سیٹوں کا ایک دوسرے سے مخصوص فاصلہ پر ہونا ضروری ہے۔ اس سارے عمل کو بلوٹوتھ کا نام دیا گیا ہے۔

چند صدیوں پہلے ان باتوں کو جادو سے بھی تشبیہ دی جاتی تھی لیکن آج بچہ بچہ ان کے استعمال سے واقف ہے اور یقین رکھتا ہے لیکن یقین لہر پر مرکوز ہونے کے بجائے موبائل فون کی باڈی تک محدود رہتا ہے۔ لہروں

کومیڈیم کے بغیر قبول کرنا چاہیں تو مادہ (میٹر) سے توجہ ہٹا کر ذہن کو لہر پر یک سو کرنا ہوگا۔

فزیالوجی سے ثابت ہے کہ جسم میں قدرتی کیمیائی عمل دراصل برقی لہروں (الیکٹریکل امپلس) کا مرہونِ منت ہے۔ اس بنیاد پر الیکٹرو گیسٹرو گرام (EGG)، الیکٹرو کارڈیو گرام (ECG) اور میگنیٹو اینسیفالو گرام (MEG) وغیرہ سامنے آئے۔ الیکٹرو میگنیٹک سگنلز کی بات کی جائے تو بہت کم کیمیائی عوامل ان سگنلز کو استعمال کر سکے ہیں۔ان میں کارڈیک پیس میکر وغیرہ شامل ہیں۔

طب میں جدید تحقیق زیادہ تر بائیو کیمسٹری کی بدولت ہے۔ نتیجہ میں نئی نئی دوائیں سامنے آرہی ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کہ جدید طب میں جتنی تحقیق جاری ہے اتنی جسم کے بائیو الیکٹرک نظام پر نہیں ہوئی۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ شرح کے اعتبار سے جسم کی بائیو کیمسٹری پر ہونے والی تحقیق کے مقابلہ میں بائیو الیکٹرک سسٹم پر تحقیق کم ہے۔

برقی مقناطیسی توانائی بائیولوجیکل نظام کو متحرک کرنے کا سبب ہے۔ ان میں مائکرو ویوز، ریڈیو فریکوئنسی، رنگ و روشنی یہاں تک کہ صوتی فریکوئنسی شامل ہے۔ کچھ مخصوص مقناطیسی ارتعاشی لہریں ڈی این اے، آر این اے، سیل کی تقسیم اور دیگر کیمیائی عوامل پر براہ راست اثرانداز ہوتی ہیں۔ ان میں اعضا کی شکلیاتی نشوونما (Morphogenesis)، تشکیلِ نو (Regeneration)، اعصابی تناؤ اور ٹوٹ پھوٹ میں عوامل اوران کی مرمت ہونا، شامل ہے۔

جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ برقی مقناطیسی لہریں، اینزائمز اور خلیوں کو براہ راست متاثر کرتی ہیں۔ لہٰذا برقی مقناطیسی لہریں (رنگ اور روشنی) جسم کے عوامل میں اس طرح حصہ دار ہیں جس طرح ان کی براہ راست موجودگی کیمیائی عوامل کو شروع کرنے کی اہل ہے۔ یہ لہریں جسم میں کیمیائی عوامل کی سرگرمی کو براہ راست شروع یا ختم کرنے کا سبب ہیں۔ کیمیائی عوامل غذا سے حاصل شدہ توانائی کے زیر اثر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

خلیہ میں کیمیائی عمل اور ردعمل کو جانچنے کے لئے توانائی کے نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ کیمیائی عمل واقع ہوتا ہے تو دونوں میں سے ایک عامل کو اتنی توانائی ضرور پیدا کرنی ہے کہ ردعمل انجام دے سکے۔ جس لمحہ میں ری ایکشن ہوتا ہے، دونوں عوامل پر موجود چارج تبدیل ہوجاتا ہے۔ تمام تبدیلیاں جسم میں ٹیم ورک کا نتیجہ ہیں۔ ٹیم ورک رنگ و روشنی کے ذریعے نہایت سہولت سے انجام پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مختلف ارتعاشی لہریں اور ان کی طول موج، شدت اور پولرائزیشن خلیہ میں کیمیائی عمل کے شروع ہونے یا نہ ہونے کے لئے فیصلہ کن اختیار رکھتی ہیں۔ یعنی سیل میں کیمیائی عمل کے شروع ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ مذکورہ بالا عوامل پر ہے۔

رنگ و روشنی سے علاج پانچ ہزار سال پرانا ہے۔

موجودہ دور کے محققین اس پر تحقیق کر رہے ہیں۔

حال ہی میں رنگ و روشنی سے علاج کے نظریہ کے تحت E.Coli Bacteria پر کی گئی تحقیق کے مفید نتائج آئے ہیں۔ یہ تحقیق خانوادہ سلسلہ عظیمیہ جناب خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے پیش کردہ نظریہ کی سائنسی توجیہ ہے۔ تحقیق COMSATS یونیورسٹی اور پنجاب یونی ورسٹی CAMB کے تعاون سے کی گئی۔ بنیادی مقصد عام افراد کی اس مفت علاج تک رسائی کو عام کرنا اور رنگوں پر تحقیق کو فروغ دینا ہے۔

E.Coli بیکٹیریا مختلف بیماریوں کا موجب ہے۔ ان میں پیٹ کی جملہ بیماریاں مثلاً Diarrhoea اور پیشاب کے انفیکشن وغیرہ شامل ہیں۔

اس بیکٹیریا پر تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ سبز رنگ (538 نینو میٹر) اور پیلے رنگ (590 نینومیٹر) کی طول موج ان امراض میں بہت مفید ہے۔

تحقیق میں E.coli کے چھ مختلف نمونے لیے گئے اور سائنسی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص میڈیم میں رکھا گیا۔ مختلف طول موج کی روشنیاں ڈالی گئیں اور نتائج کی جانچ کے لئے اسکیننگ الیکٹران مائکروسکوپ (SEM) سے مدد لی گئی۔ یہ بات سامنے آئی کہ مختلف طول موج کی روشنیاں E.Coli Bacteria پر مختلف اثرات مرتب کرتی ہیں۔ مثلاً پرپل رنگ (464 نینو میٹر) کی روشنی ڈالنے سے E.coli کی سیل وال کھردری معلوم ہوئی، نارنجی رنگ (610 نینو میٹر) سے Treated بیکٹیریا نے نہ صرف اپنی سیل وال کو برقرار رکھا بلکہ ان کا سائز بھی بڑھا اور تعداد بھی زیادہ ہوئی۔ جب کہ پیلے رنگ (590 نینو میٹر) اور سبز رنگ (538 نینو میٹر) سے سیل وال کو نقصان پہنچا۔

مزید واضح ہوا کہ سبز رنگ کے علاج سے بیکٹیریا پیدا ہوئے لیکن پیدا ہو کر مرتے گئے۔ یعنی ہرا رنگ جراثیم کُش خصوصیات کا حامل ہے جب کہ پیلے رنگ سے بیکٹیریا کی نشوونما میں نمایاں کمی آئی۔ مطلب یہ ہے کہ پیلا رنگ مانع جراثیم خصوصیات کا حامل ہے۔

واضح ہوا کہ رنگ بیکٹیریا کی جین کو بھی متاثر کرتے ہیں جس کی وجہ سے نشوونما میں واضح فرق دیکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ E.coli کی جین کا مطالعہ کیا جائے تاکہ جین پر رنگ و روشنی سے اثرات کا مطالعہ کیا جاسکے۔

ناواقفیت کی بنا پر ایک عرصہ تک رنگ و روشنی سے علاج صرف ایشیائی طریقۂ علاج سمجھا جاتا رہا لیکن اب مغرب میں محققین تحقیق کر کے اس علاج کی مخفی خوبیوں سے آگاہ ہو رہے ہیں۔ تحقیق کے مطابق جتنی بیماریاں دریافت ہو چکی ہیں، ان کا علاج رنگ و روشنی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ جدید سائنسی علاج کے طور پر سامنے آرہا ہے اور نہ صرف موجودہ بلکہ آنے والے دور کی

سائنس بھی کہا جا رہا ہے۔
محققین کے لئے روشنی ابھی تک حیرت انگیز ہے۔ روشنی میں شفایابی کی شعاعیں اور تخلیق کے رنگ ہیں۔ جدید سائنس ،کوانٹم فزکس کے تحت پیچیدہ سوالات کو حل کرنے میں اہم تصور کی جاتی ہے۔رنگ و روشنی سے علاج میں ''کوانٹم فزکس'' کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نیا نظریہ ''تھیوری آف چارج کو انٹائزیشن'' پیش کیا گیا ہے جو اہم پیش رفت سمجھی جارہی ہے۔اس طرزِ علاج سے مزید تحقیق کے راستے کھلیں گے اور مخلوق خدا کو قابلِ تذکرہ فائدہ پہنچے گا، انشاءاللہ۔

محققین رنگ و روشنی سے علاج کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہو رہے ہیں۔امید ہے کہ رنگ و روشنی سے جلد ان بیماریوں کا علاج بھی دریافت ہوجائے گا جن کو میڈیکل سائنس لاعلاج گردانتی ہے۔اس علاج میں وقت تو لگتا ہے لیکن کامیابی بہرطور یقینی ہے کیوں کہ یہ جسم میں خلیہ کی سطح پر اپنا کام کرتا ہے۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ کلر تھراپی کو جدید طرزِ علاج کے مساوی درجہ دیا جائے تاکہ اس میں تحقیق کے نئے رخ سامنے آسکیں۔
کلر تھراپی میں سادگی ہے اور یہ فطرت سے قریب ترین علاج ہے اس لئے براہ راست اثر کرتا ہے۔جسم روشنی کے علاوہ کچھ نہیں۔روشنیاں ہمیں ڈھانپے ہوئے ہیں اور توازن، یکسوئی اور گہرا سکون دیتی ہیں۔رنگوں کے علم سے واقفیت کے بعد جسم کو روشنی میں تحلیل کیا جاسکتا ہے۔عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

مٹی کے برتن مٹی سے ہی جوڑے جاتے ہیں۔کپڑے کی گڑیا دھاگے سے سلتی ہے۔ پلاسٹک کے برتن پلاسٹک سے مرمت کیے جاتے ہیں تو انسان کا علاج رنگ و روشنی سے کیوں نہیں ہوسکتا جب کہ انسان کی تخلیق کی بنیاد ہی رنگ و روشنی ہے۔''
قرآن کریم میں ارشاد ہے:
'اور یہ جو رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں ان میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔'' (النحل:۱۳)

حال ہی میں رنگ و روشنی سے علاج کے نظریہ کے تحت E.Coli Bacteria پر کی گئی تحقیق کے مفید نتائج آئے ہیں۔یہ تحقیق خانوادہ سلسلہ عظیمیہ جناب خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے پیش کردہ نظریہ کی سائنسی توجیہ ہے۔تحقیق میں E.coli کے چھ مختلف نمونے لیے گئے اور سائنسی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص میڈیم میں رکھا گیا۔مختلف طول موج کی روشنیاں ڈالی گئیں اور نتائج کی جانچ کے لئے اسکیننگ الیکٹران مائکروسکوپ (SEM) سے مدد لی گئی۔ یہ بات سامنے آئی کہ مختلف طول موج کی روشنیاں E.Coli Bacteria پر مختلف اثرات مرتب کرتی ہیں۔

اے بلبلِ شوریدہ! دیوانہ توئی یا ما؟

اے بلبلِ شوریدہ! دیوانہ توئی یا ما؟	اے شوریدہ سر بلبل ! دیوانہ تم ہو یا ہم؟
جو یائے رخِ خوبِ جانانہ توئی یا ما؟	محبوب کے رخِ روشن کے طلب گار تم ہو یا ہم؟
تو عاشقِ گلزاری، من عاشقِ دیدارم	تم چمن کے اور میں محبوب کے دیدار کا عاشق ہوں
در دردِ فراق او، مردانہ توئی یا ما؟	فراق کو بہادری سے برداشت تم کر رہے ہو یا ہم؟
عشقِ او بما بلبل ! اندر رگ و پے رفتہ	اے بلبل اس کا عشق ہماری رگ و پے میں ہے
آں بادہ کو؟ آں را، پیمانہ توئی یا ما؟	وہ مے کہاں ہے ؟ اس کا پیمانہ تم ہو یا ہم ؟
تو زخم خوری از خار، مارا بکُشند بردار	تم خار سے زخمی ہو ،ہمیں دار پر لٹکایا جاتا ہے
آیا بزبانِ خلق، افسانہ توئی یا ما؟	بتاؤ زبانِ خلق پر فسانہ تمہارا ہے یا ہمارا؟
تو عاشق و ما عاشق، دم درکش و حاضر باش	اے بلبل! ہم دونوں عاشق ہیں، صبر سے موجود رہ
ورنہ بخدا امروز، درخانہ توئی یا ما؟	ورنہ بخدا آج اس گھر میں تم رہو گے یا ہم ؟
گویند کہ گنجے ہست اندر دلِ ہر سرمست	کہتے ہیں کہ ہر سرمست کے دل کے اندر خزانہ ہوتا ہے
از بہر چنیں گنجے، دیوانہ توئی یا ما؟	بتا اس عظیم خزانہ کے لئے دیوانہ تم ہو یا ہم؟
محیؔ بہ گلستاں شد، بابلبلِ نالاں گفت	محیؔ الدین نے باغ میں نالہ کرنے والے بلبل سے کہا
کاے بلبلِ نالندہ! جانانہ توئی یا ما؟	اے رونے دھونے والے بلبل! معشوق تم ہو یا ہم؟

مراقبہ اور ماورائی لہر

یہ کہنا کہ خواب کی حیثیت محض خیالی ہے، صحیح نہیں ہے۔قرآن کریم میں خوابوں کا ذکر واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ خواب کی دنیا زمان ومکان سے آزاد ہے۔ جب کوئی انسان مراقبہ کے ذریعے خود کو خواب کی کیفیت میں منتقل کرتا ہے تو اس پر سے زمان ومکان کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور مشق کر کے خواب کی کیفیات میں اسی طرح سفر کرتا ہے جس طرح بیداری کی کیفیات اور واردات میں سفر کیا جاتا ہے۔

جب ہم کوئی علم سیکھتے ہیں یا کسی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس چیز کو سمجھنے اور جاننے کے لئے تفکر کرتے ہیں۔

ذہن میں یہ تجسس پیدا ہوتا ہے کہ اصل کیا ہے، کیوں ہے، کس طرح ہے اور حقیقت کیا ہے۔ اگر چھوٹی سے چھوٹی بات میں سوچ بچار کیا جائے تو اس چھوٹی سی بات کی بڑی اہمیت ہے اور اگر کسی بڑی سے بڑی بات پر غور وفکر نہ کیا جائے تو وہ بڑی بات غیر اہم بن جاتی ہے۔ تفکر سے ہمیں شے کے بارے میں علم حاصل ہوتا ہے اور علم میں جتنی گہرائی پیدا ہوتی ہے اسی مناسبت سے شے اور اس کی صفات سے ہم باخبر ہوتے ہیں۔

مراقبہ وہ علم ہے جس سے انسان ماورائی دنیا کا ادراک کرسکتا ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ کوئی شخص بند آنکھوں سے گردن جھکائے بیٹھا ہے لیکن صرف آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر بیٹھنے سے مراقبہ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ مراقبہ دراصل طرزِ تعلیم (School of Thought) ہے جس سے مراقبہ کرنے والا باطنی حواس میں سفر کرنا سیکھتا ہے۔

اب ہم یہ تلاش کریں گے کہ مراقبہ سے ملتی جلتی کیفیت مراقبہ کی مخصوص نشست کے بغیر بھی ہم میں موجود ہے یا نہیں۔

ظاہری حواس سے آزادی کی کیفیت ہماری زندگی میں ارادتاً یا غیر ارادی طور پر دونوں طرح ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم سوتے ہیں۔ سونے کی حالت میں دماغ ظاہری حواس سے تعلق منقطع کر لیتا ہے جب کہ یہ قطع تعلق عارضی ہے۔

چناں چہ یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مراقبہ نیند کو بیداری میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔

ہر انسان پیدائش سے موت تک دو کیفیات میں سفر

کرتا ہے یعنی دماغ میں ہر آن اور ہر لمحہ دو کیفیات متحرک رہتی ہیں۔ایک کیفیت کا نام بیداری اور دوسری کیفیت کا نام نیند یا خواب ہے۔ بیداری کی حالت میں وہ زمان و مکان میں مقید ہے لیکن خواب کی حالت میں زمان و مکان کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے۔

مراقبہ کے ذریعے خواب کو بیداری میں منتقل کر کے زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزادی حاصل کرنے کی مشق کی جاتی ہے — کم و بیش وہ تمام حالتیں انسان کے اوپر وارد ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ خواب کی دنیا میں سفر کرتا ہے، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، رنجیدہ اور خوش ہوتا ہے۔

یہ کہنا کہ خواب کی حیثیت محض خیالی ہے، صحیح نہیں ہے۔قرآن کریم میں خوابوں کا ذکر واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ خواب کی دنیا زمان و مکان سے آزاد ہے۔ جب کوئی انسان مراقبہ کے ذریعے خود کو خواب کی کیفیت میں منتقل کرتا ہے تو اس پر سے زمان و مکان کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور مشق کر کے خواب کی کیفیات میں اسی طرح سفر کرتا ہے جس طرح بیداری کی کیفیات اور واردات میں سفر کیا جاتا ہے۔موجودات کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اس کی کوئی بنیاد ہو، بنیاد کے بغیر کسی چیز کا قیام ممکن نہیں ہے۔

یہ ایسی بات نہیں ہے جس میں ابہام ہو اور سمجھ میں نہ آتی ہو۔ مثلاً کرسی کی پہچان کا ذریعہ چار پیر ہیں۔ مکان اس وقت مکان ہے جب زمین کے ایک مخصوص رقبہ پر بنیاد قائم کر کے ان بنیادوں پر دیواریں تعمیر کی جائیں۔ہم کسی علم کو اس وقت سیکھ سکتے ہیں جب ہمیں اس کے قواعد معلوم ہوں — قواعد علم کی بنیاد ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

’’اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔‘‘

(النور:۳۵)

کائنات اور کائنات کے اندر بے شمار عالمین اور کہکشانی نظام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حیثیت اور حکمت کیا ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ جانتے ہیں یا وہ مقربین جانتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم سکھا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے تخلیقی فارمولے اپنے مقربین کو کس حد تک اور کتنے بتائے ہیں، یہ اللہ جانتا ہے۔ بہرکیف ہم اتنا جانتے ہیں کہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کی ہے اور اس کا تذکرہ بارہا قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

کائنات کی بنیاد اللہ کا نور ہے۔کائنات کے قیام کی بنیاد کے پیشِ نظر یہ بات لازم اور ضروری ہے کہ انسان خود اور انسان کے اندر کام کرنے والی تمام صلاحیتیں ایک بنیاد اور ایک مرکز پر قائم ہوں۔

عام مشاہدہ ہے کہ ہماری تمام حرکات و سکنات، توہمات، خیالات، تصورات اور احساسات گوشت پوست کے ڈھانچے کے تابع نہیں ہیں کیوں کہ روح جب جسم

سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو گوشت پوست کے جسم میں حرکت نہیں ہوتی۔ جب تک روح جسم کے ساتھ موجود ہے، زندگی کے تمام تقاضے اور زندگی میں کام آنے والی سب تحریکات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روح کا علم قلیل دیا گیا ہے لیکن محل نظر یہ بات ہے کہ قلیل بھی تو ایک علم ہی ہے۔ واضح یہ کرنا ہے کہ لامحدود علم کے جاننے والوں نے اس کو سمجھنے کے لئے چند قواعد (Formula) بنائے ہیں اور ان فارمولوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے شاگردوں کو اس سے روشناس کرایا ہے۔

اگر اس بات پر روشنی ڈالی جائے کہ یہ علم کہاں سے شروع ہوا اور یہ فارمولے کس طرح ارتقا پذیر ہوئے تو بات طویل ہو جائے گی۔

ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ انسان فی الواقع وہ نہیں ہے جسے ہم انسان کہتے یا سمجھتے ہیں۔ ہم گوشت پوست اور ہڈیوں کے پنجر کو انسان کہتے ہیں جب کہ یہ سب مفروضہ ہے۔ انسان وہ ہے جو اس گوشت پوست کے جسم کی حفاظت کرتا ہے اور متحرک رکھتا ہے۔

ہر انسان واقف ہے کہ زندگی کا دارومدار گوشت پوست کے جسم پر نہیں ہے۔ اسے زندگی میں دو باتوں کا تجربہ ضرور ہوتا ہے۔

۱۔ وہ شعوری حواس میں ہے اور زندگی رواں دواں ہے۔

۲۔ وہ سو جاتا ہے لیکن سانس کی آمد و شد کے ساتھ زندگی کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

ان دو حالتوں میں وہ زندگی گزارتا ہے۔

سونے کی حالت میں اس کا رشتہ گوشت پوست کے جسم سے غیر شعوری رہ جاتا ہے۔

ان دو حالتوں کے علاوہ تیسری حالت جو ہر انسان پر وارد ہوتی ہے وہ موت ہے۔ موت ایسی حالت ہے کہ جس میں روح اس خاکی جسم سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ انسان کے اوپر تین حالتیں وارد ہوتی ہیں۔

۱۔ بیداری

۲۔ نیند

۳۔ موت

بیداری اور نیند میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ نیند میں جسم سے روح کا واسطہ براہ راست ہے اور بیداری میں بالواسطہ، یعنی شعور کی معرفت —— اور موت میں روح جسم سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے۔

روح زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے میڈیم بناتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی“۔

(السجدۃ:۹)

یعنی روح نے اپنے لئے ایک میڈیم بنا لیا اور اس

میڈیم کو پروان چڑھا کر اسے حواس بخش دیئے۔

روح اللہ تعالیٰ کا ایک جزو ہے اور اس جزو میں اللہ کی وہ تمام مشیت اور وہ تمام اوصاف جس کا علم اللہ نے ودیعت کرنا پسند فرمایا — موجود ہیں۔ یہ علم جزو کو کس طرح حاصل ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے۔

صوفیائے کرام نے جن اسمائے الٰہیہ کا انکشاف کیا ہے ان کی تعداد تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار ہے۔ اللہ کا ہر اسم اللہ کی ایک صفت ہے اور اللہ کی ہر صفت ایک علم ہے اور یہی علم شاخ در شاخ لامحدود دائروں میں پھیل کر اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے۔

”زمین میں جتنے درخت ہیں سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔“ (لقمٰن: ۲۷)

غیب کے عالم میں داخل ہونا یا زمان و مکان سے ماورا کسی چیز کو دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب آدمی خود زمان و مکان سے آزاد ہو جائے۔ زمان و مکان سے آزاد ہونا اس وقت ممکن ہے جب زمان و مکان کو دیکھنے والی نظر زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہو جائے۔

زمان و مکان سے آزاد نظر کو متحرک کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن سے انسانی ذہن اگر پوری طرح آزاد نہ ہو تو ایسی صورتِ حال ضرور پیدا ہو جائے کہ وہ آزادی سے قریب ہو جائے۔

یہ تلاش کرنا ضروری ہے کہ آدمی کے حواس زمان و مکان کی گرفت سے کب اور کس طرح آزاد ہوتے ہیں۔

۱۔ خواب دیکھنا

سونے کا مطلب بیداری کے حواس یعنی زمان و مکان کے تسلط سے آزادی ہے۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو بیداری کے حواس وہاں منتقل ہو جاتے ہیں جہاں زمان و مکان کی کیفیت تو موجود ہے لیکن فی الواقع لمحات کے وہ ٹکڑے نظر کے سامنے نہیں ہیں، لحظہ بہ لحظہ جن میں ہم زندگی گزارتے ہیں۔

۲۔ دوسری صورت بیداری میں واقع ہوتی ہے جب آدمی کا ذہن یک سوئی کے ساتھ ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائے۔

مثلاً ہم کتاب پڑھتے ہیں۔ کتاب ہمارے لئے اتنی دل چسپی رکھتی ہے کہ ہم ماحول سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ جب کتاب رکھ کر یہ دیکھتے ہیں کہ کئی گھنٹے گزر گئے اور وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنا طویل وقفہ گزر گیا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”ہم نے موسیٰؑ کو تیس شب و روز کے لئے طلب کیا اور بعد میں دس دن کا اضافہ کر دیا، اس طرح اس کے رب کی مقررہ کردہ مدت پورے

چالیس دن ہوگئی۔‘‘ (الاعراف:۱۴۲)

’’یہ اس لئے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔‘‘ (الحج:٦١)

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رات دن دو حواس ہیں۔ اس علم کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ زندگی دو حواس میں منقسم ہے یا دو حواس میں سفر کرتی ہے۔

۱۔ دن کے حواس

۲۔ رات کے حواس

دن کے حواس زمان و مکان کی گرفت میں ہیں اور رات کے حواس آزاد ہیں۔

یہ ارشاد کہ ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور چالیس راتوں میں اسے پورا کر دیا— فکر طلب ہے کیوں کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر صرف چالیس راتیں نہیں رہے بلکہ آپ کا قیام وہاں چالیس دن اور چالیس راتیں رہا۔

ایسا بھی نہیں ہوا کہ وہ دن کے وقت کوہِ طور سے نیچے آجاتے ہوں اور رات کے وقت دوبارہ تشریف لے جاتے ہوں۔ وہ مسلسل چالیس دن اور چالیس راتیں کوہِ طور پر قیام فرما رہے۔

مطلب واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر چالیس دن اور چالیس راتیں رات کے حواس غالب رہے۔ رات کے وہ حواس جو زمان و مکان سے آزاد ہیں۔

قانون: انسان اپنے اوپر رات اور دن کے وقفہ میں رات کے حواس غالب کر لے تو یہ زمان و مکان کی قید سے آزادی ہے اور زمان و مکان سے آزادی دراصل غیبی انکشافات کا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم اس پروگرام اور اس عمل کا نام ’’قیام الصلوٰۃ‘‘ رکھتا ہے جس کے ذریعے دن کے حواس سے آزادی حاصل کر کے رات کے حواس میں سفر کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر صلوٰۃ (نماز) قائم کرنے کا لازمی نتیجہ دن کے حواس کی نفی اور رات کے حواس میں مرکزیت حاصل ہونا ہے۔ صلوٰۃ کے ساتھ لفظ ’’قائم کرنا‘‘ اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت علیؑ کا مشہور واقعہ قیام الصلوٰۃ کی تشریح اور وضاحت میں روشن دلیل ہے۔ کسی جنگ میں دشمن کا تیر امیر المومنین حضرت علیؑ کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ تیر نکالنے کی کوشش کی گئی تو حضرت علیؑ نے تکلیف محسوس کی۔ جب انہوں نے نیت باندھی تو تیر نکال لیا گیا اور مرہم پٹی کر دی گئی۔ اس واقعہ سے یقین کی دنیا روشن ہوتی ہے۔

روحانیت کی بنیاد اس حقیقت پر قائم ہے کہ انسان میں دو حواس، دو دماغ اور دو زندگیاں سرگرمِ عمل ہیں جیسے ایک ورق کے دو صفحات۔

۱۔ پابند زندگی

۲۔ آزاد زندگی

پابند زندگی دن، بیداری اور شعور ہے — آزاد زندگی کا دوسرا نام رات، سکون اور اطمینانِ قلب ہے۔

اس زندگی کو حاصل کرنے کے لئے روحانیت میں آسان طریقہ یک سو ہونا ہے۔ مراقبہ مشق، کوشش اور طرزِ فکر ہے۔

کائنات کی ہر تخلیق ایک دوسرے سے مخفی رشتہ میں بندھی ہوئی ہے یعنی جس طرح انسان کے اندر پوری کائنات موجود ہے اسی طرح فرشتہ کے اندر پوری کائنات موجود ہے اور بکری، کبوتر اور پہاڑ کے اندر بھی پوری کائنات ہے۔ کائنات کی موجودگی اس طرح نہ ہو تو کوئی فرد دوسرے فرد کو پہچان نہیں سکتا۔

ہم ستاروں کو اس لئے پہچانتے ہیں کہ ستاروں سے ہمارا رشتہ ہے۔ ان دیکھی مخلوق، ملائکہ اور جنات کا یقین کرنے پر ہم اس لئے مجبور ہیں کہ ان کا تشخص اور تمثیل ہمارے اندر موجود ہے۔

کوئی صاحب اگر یہ کہیں کہ ایک مکتبۂ فکر جنات کو مانتا نہیں ہے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ انکار بجائے خود اس بات کا اقرار ہے کہ کوئی چیز موجود ہے جس کا انکار یا اقرار کیا جا رہا ہے۔

انسان کے اندر پوری کائنات تو موجود ہے لیکن چوں کہ وہ اس بات سے واقف نہیں کہ وہ کائنات کا ایک حصہ ہے یا پوری کائنات کے اجزائے ترکیبی میں سے ایک جزو ہے اس لئے وہ اس علم سے واقف نہیں ہے۔

روحانی ٹیچر اس بات کو جانتا ہے کہ مرید کائنات کا ایک جزو ہے اور کائنات میں موجود ہر تخلیق کے ساتھ اس کا رشتہ قائم ہے۔ روحانی ٹیچر مرید کی شعوری صلاحیت کے پیشِ نظر ایسا پروگرام ترتیب دیتا ہے جس پر قدم بہ قدم چلا کر مرید کو اس بات سے واقف کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کنبہ کا ایک فرد ہے اور اس کا کائنات کے ہر فرد کے ساتھ ربط ہے۔

ہر مخلوق ایک دوسرے سے رشتہ رکھتی ہے اور ایک دوسرے کو پہچانتی ہے۔ جاننا اور پہچاننا اس وقت ممکن ہے جب جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت ہو اور صلاحیت کا پیدا ہونا اس وقت ممکن ہے جب صاحبِ صلاحیت کی طرف سے جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت منتقل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو ایک کنبہ بنایا اور اس کنبہ میں کھربوں کہکشانی نظام اور ان نظاموں میں سنکھوں نوعیں اور ان نوعوں میں انسانی شماریات سے باہر مخلوقات پیدا کیں اور ان کے اندر سوچنے سمجھنے اور زندہ رہنے کی تحریکات عطا کیں۔

اصل میں پہچان کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تمام مخلوقات جدا جدا ہیں — ان کا پیدا کرنے والا یکتا و واحد اللہ ہے۔

LIFE KARO BOOST
لائف کرو
بوسٹ
80 سال سے آزمودہ
شاہی
ہربل ہیلتھ ٹانک
Tayyebi
Shahi
Herbal Health Tonic
IMMUNITY BOOSTER
Rich in Vitamins & Minerals
100%
HERBAL, NATURAL
شاہی قدرتی اجزاء سے تیار کردہ صحت بخش ٹانک، ہر عمر کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے۔
منتخب جڑی بوٹیوں، پھلوں اور شہد سے تیار کردہ شاہی قدرتی وٹامنز اور منرلز سے بھرپور ہے جو نشوونما کو بڑھاتے اور جسم کو توانا بناتے ہیں۔
شاہی میں موجود قدرتی اجزاء
☆ کیلشیم ☆ فولک ایسڈ ☆ فولاد ☆ وٹامنز
طیّبی
طبی دواخانہ (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی پاکستان

خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشنل سوسائٹی کا منصوبہ برائے فروغ تعلیم

COLLEGE FOR BOYS & GIRLS

شاندار نتائج، اسکالرشپ — روزانہ ٹیسٹ کا نظام

کم فیسوں میں اعلیٰ معیار تعلیم — کامرس گروپ میں بورڈ میں پوزیشن

F.A / B.A / B.Ed / M.A / M.Sc / M.Phil
I.Com / B.Com / M.Com / L.L.B / Ph.D

کوٹلی بہرام، گوہد پور روڈ، سیالکوٹ

052-4000100 / 0345-7120100

facebook : edutech sialkot, Email : edutechskt@gmail.com

اظہر حسین

بجلی کے پردادا

انور کو جھٹکا لگا، ہر طرف روشنی تھی۔ سوچا کہ کیا واقعی میں نے تاروں کی باتیں سنی ہیں یا یہ خواب تھا۔

قارئین! کیا آپ جواب تلاش کرنے میں انور کی مدد کر سکتے ہیں—؟

کہانی ستاروں سے متعلق تھی۔ جگ مگ جگ مگ ستارے باتیں کر رہے تھے اور انور انہاک سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کھلی فضا میں ٹھنڈی ہوا، آسمان سائبان— سائبان میں ماورائی روشنی کے بلب جگ مگ کر رہے تھے۔ ہوا کے ٹھنڈے، لطیف اور خواب آور جھونکوں میں اس کے اوپر بھی خمار طاری ہو گیا۔

آنکھیں بغیر ارادہ کے نیند میں ڈوب گئیں۔ بیٹھے بیٹھے لیٹ گیا۔ مخمور آنکھوں پر پردہ آیا اور پردہ عینک بن گیا۔ وہ بیان نہیں کر سکتا کہ اس مخمور ماحول میں وہ کب لیٹ کر سو گیا یا نیند سے آزاد غنودگی کی حالت میں اس دنیا کے خیال سے بے خیال ہو گیا۔

ذہن میں نشر ہوا— آسمان ستاروں سے مزین ہے، ستاروں کی دنیا ہماری دنیا کی طرح ہے جہاں بہت سارے لوگ ہیں اور ہر فرد چمکتا غروب ہوتا ستارہ ہے۔ یکایک اسپارک ہوا اور لائٹ چلی گئی۔ نظر بجلی کے تاروں پر ٹھہر گئی۔ انور نے سوچا کہ ستاروں کی طرح کیا بجلی کے تار بھی باتیں کرتے ہیں؟

اس سے پہلے کہ انور جواب سوچتا— آواز آئی، میں تم سب میں بہتر ہوں، تم میرا مقابلہ کیسے کر سکتے ہو؟ انور آواز کی طرف متوجہ ہوا، بولنے والا نظر نہیں آیا۔

آواز پھر آئی، میں تم سے بلندی پر ہوں اور اونچی گزرگاہ ہوں۔

انور حیران و پریشان تھا کہ کون لوگ ہیں جو باتیں کر رہے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے زیادہ دور نظر نہیں آیا۔ آواز کی سمت سامنے کی طرف تھی۔

خیال آیا، گلی پار گھر سے آواز آرہی ہوگی۔ نظر دوڑائی، چھت پر چاروں طرف گھوم کر جائزہ لیا لیکن بات کرنے والا نظر نہیں آیا۔

ایک اور آواز آئی، ارے بھائی بیچ والا سب سے سیدھا ہوتا ہے۔ اوپر والے کی غلطیاں اور نیچے والے کی کوتاہیاں بہت کچھ سکھا دیتی ہیں۔

انور نے آواز کی سمت دھیان لگایا اور محسوس ہوا کہ بجلی کے تار باتیں کر رہے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ ہنس پڑا۔

آ رہے ہیں اور میرے بعد گراؤنڈ ہے۔ گراؤنڈ سے اوپر والا فیز یعنی میں۔

باقی تار ہنسنے لگے اور کہا، بھائی ہم سب الگ الگ اہمیت رکھتے ہیں۔ بڑے یعنی اوپر والے فیز کے تار نے بتایا کہ میں ہمیشہ اوپر ہوتا ہوں۔ میرے اندر موجود کرنٹ خالص حالت میں ہوتا ہے۔

یہ سن کر بیچ والے تار نے شرارت سے کہا، میں بیچ میں کیوں ہوں؟ اس لئے کہ اہم شخصیات دائیں بائیں نہیں، ہمیشہ بیچ میں ہوتی ہیں جیسے صدر وغیرہ اور آس پاس ان سے کم اہم لوگ ہوتے ہیں۔

اپنے منہ میاں مٹھو بننے پر سب نے منجھلے تار کی بات کا لطف لیتے ہوئے کہا کہ واہ بھائی واہ — کس طرح راز کا انکشاف کیا ہے۔

کھمبا بولا — میں نہ ہوں تو زمین پر پڑے رہو گے، چھوٹے بڑے کا تذکرہ ہوگا ہی نہیں۔

چھوٹا تار کچھ کہنے والا تھا کہ فضا میں بھاری آواز گونجی۔ سب خاموش ہوگئے۔ پتہ چلا آواز گلی کے کونے سے آرہی ہے۔

کوئی کہہ رہا تھا — کرنٹ مجھ سے گزر کر تم میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے جو کرنٹ میرے پاس ہے وہ اہم اور خالص ہے۔

کھمبا بولا، بھائی تم ہو کون؟

درمیانے تار نے تعارف کرایا، یہ ہمارے پی ایم ٹی (Pole Mount Transformer) ہیں۔

چند لمحے خاموشی کے گزرے۔

پی ایم ٹی کی آواز آئی، میری تعریف یہ ہے کہ صرف خالص کرنٹ قبول کرتا ہوں۔ اس وجہ سے میری ذمہ داری اہم ہے۔ میں کرنٹ کے تین حصے کر کے تاروں میں منتقل کرتا ہوں جو کرنٹ آگے بڑھاتے رہتے ہیں۔ ہر تار کو کرنٹ استعداد کے مطابق دی جاتی ہے۔

سب باادب ہو کر پی ایم ٹی کی طرف متوجہ تھے۔

چھوٹا تار بولا، پی ایم ٹی انکل آپ بتا سکتے ہیں کہ سب سے اہم کرنٹ ہم تین بھائیوں میں سے کس کے پاس ہے؟

پی ایم ٹی نے گونج دار آواز میں جواب دیا، جی ہاں! میں بتا سکتا ہوں۔

اس سے پہلے کہ پی ایم ٹی صاحب جواب دیتے، انور کو لگا کہ زلزلہ آگیا ہے۔ تاروں کے اندر سے بھی گھبرائی گھبرائی آوازیں آنے لگیں۔ ایک خوف سا چھا گیا۔ سب کو احساس ہوا، کوئی بہت بھاری آواز میں ہنس رہا ہے۔ آواز کی دہشت سے دل حلق میں آگیا۔

ہنسی رکی تو چھوٹے تار نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، یہ کس کی آواز تھی۔

بڑا بولا، پتہ نہیں۔

پی ایم ٹی نے کہا، یہ ہائی ٹینشن لائن ہے۔

ہائی ٹینشن نے کہا — بے وقوفو! جب کرنٹ میں لا رہا

ہوں تو تم لوگوں میں بڑے چھوٹے کا کیا سوال۔ خالص ترین کرنٹ کا خزانہ میں ہوں۔

چھوٹا بولا، ہائی ٹینشن انکل! کیا آپ اپنا تعارف کرا سکتے ہیں؟ میں چھوٹا تار ہوں اس لئے آپ کو جانتا نہیں ہوں۔

ہائی ٹینشن ہنس پڑا۔ انور کو محسوس ہوا کہ اس کی ہنسی سے دیواریں ہل رہی ہیں۔

ہائی ٹینشن نے بتایا— بیٹا تم لوگ 220 وولٹ کرنٹ کے حامل ہو جو گھروں یا اداروں کو دیا جاتا ہے، میں ایک لاکھ بتیس ہزار وولٹ لے کر آتا ہوں۔

میرا کام یہ ہے کہ جو کرنٹ بن رہا ہے اسے پاور ہاؤس سے سب اسٹیشن تک پہنچاؤں۔ وہاں سے چھوٹی ہائی ٹینشن لائن 11,000 وولٹ لے کر پی ایم ٹی تک آتی ہے اور پھر پی ایم ٹی سے تم لوگ 220 وولٹ کرنٹ لے کر لوگوں کے گھروں تک پہنچاتے ہو۔

اس لحاظ سے چھوٹے! میں تمہارا پردادا ہوا۔

یہ کہہ کر ہائی ٹینشن ہنسنے لگا۔

اس دفعہ پی ایم ٹی اور کھمبے سمیت تمام تار ہنسنے میں شامل تھے۔

روشنی چمکی۔ انور کو لگا، بجلی آ گئی مگر ہنوز اندھیرا تھا۔ پھر جھماکا ہوا۔ انور نے غور کیا تو احساس ہوا جیسے کوئی جگنو ادھر ادھر جا رہا ہو۔ مگر اس روشنی میں کچھ الگ بات تھی۔ جیسے روشنی نہیں، سکون کی لہریں ہوں۔

اس نے اجنبی روشنی کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اجنبیت کے باوجود روشنی اپنائیت سے بھرپور تھی۔ ایک جھماکا انور کے قریب ہوا اور محسوس کیا کہ روشنی سر میں سے گزر کر اندر داخل ہوگئی ہے اور مختلف حصوں کو روشن کر رہی ہے جیسے بہت سارے بلب ہوں۔ روشنی جہاں سے گزرتی، وہ بلب روشن ہو جاتا۔

انور نے دیکھا کہ دماغ میں روشنیوں سے تصویر بنی۔ تصویر کے خدوخال واضح نہیں تھے۔ اس نے دیکھنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کہ تصویر بات کر رہی ہے۔ آواز آئی—

ہائی ٹینشن لائن سے پی ایم ٹی میں داخل ہونے والا کرنٹ ایک ہے۔ پی ایم ٹی سے وہ تاروں میں منتقل ہوتا ہے۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب کرنٹ تقسیم ہوا اور الگ الگ تاروں میں گیا تو اس کی خاصیت میں فرق آ گیا ہو—؟

انور نے سوچا اس بات کا کیا مطلب ہے۔ اندر میں جو روشنی ہے وہ کیا سمجھانا چاہ رہی ہے—؟

گلی سے شور اٹھا— لائٹ آ گئی، لائٹ آ گئی۔

انور کو جھٹکا لگا، اطراف میں دیکھا تو ہر طرف روشنی تھی۔ وہ حیران و پریشان تھا۔ سوچا کہ کیا واقعی میں نے تاروں کی باتیں سنی ہیں یا یہ خواب تھا۔

قارئین! کیا آپ جواب تلاش کرنے میں انور کی مدد کر سکتے ہیں—؟

ریکارڈ — آواز — مظاہرہ

ماؤنٹ ایورسٹ پہاڑ جو 29,035 فٹ بلند ہے، ہر سال اس کی اونچائی میں 0.16 انچ کا اضافہ ہوتا ہے۔ سینٹ ہیلنس کا آتش فشاں پہاڑ امریکی ریاست واشنگٹن میں ہے، 1980ء میں آتش فشاں پھٹنے کے بعد اس کی طوالت ایک ہزار تین سو تیرہ فٹ کم ہو کر 9,677 فٹ سے 8,364 فٹ رہ گئی۔

کائنات کیا ہے —؟ مخلوقات کا مجموعہ ہے۔ رنگ رنگ پھول، پرندے، درخت، چوپائے، پہاڑ، سورج اور چاند خالقِ کائنات کی بنائی ہوئی خوش نما اور مکمل تصویریں ہیں۔ تصویر کا ہر رخ مصور کی مہارت، خالقیت اور مخلوق سے محبت ہے۔ کائنات کو تصویری کتاب کہا جائے تو کتاب کا ہر صفحہ ایک نوع ہے۔ نوع کی بے شمار اقسام ہیں اور ہر قسم حیات ہے۔

کائنات کی ابتدا کہاں سے ہوئی —؟

سائنس ''بگ بینگ'' کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

الہامی کتابوں اور آخری الہامی کتاب قرآن کریم میں کائنات کی ابتدا سے متعلق حقائق بیان ہوئے ہیں۔

''اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو، پس وہ ہو جاتی ہے۔''

(یٰسٓ: ۸۲)

''ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام ہی خدا تھا۔ کلام شروع میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا کی گئیں اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اُس کے بغیر وجود میں آئی ہو۔''

(انجیل یوحنا: باب ۱، آیت ۱۔۳)

''اور خدا نے کہا، روشنی ہو جا اور روشنی ہو گئی۔''

(توریت: باب پیدائش، آیت ۳)

الہامی کتابوں اور آخری الہامی کتاب قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات تین درجوں میں مظہر بنی۔

۱۔ کائنات ظاہر نہیں تھی۔

۲۔ کائنات کو ظاہر ہونے کا حکم (کُن) دیا گیا۔

۳۔ خالق کائنات کے حکم سے کائنات ظاہر ہو گئی۔

ظہورِ کائنات کے پہلے درجہ کا تذکرہ کیا جائے تو کئی سوالات ذہن میں آتے ہیں۔

مثلاً جب کائنات ظاہر نہیں تھی تو کیا کہیں موجود تھی یا اس کی موجودگی کُن کے بعد سامنے آئی ؟

کائنات کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائناتی پروگرام سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات، پوری جزئیات کے ساتھ موجود تھی ، ہے اور رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ظاہر کرنا چاہا تو ذہن میں موجود کائناتی پروگرام کو ظاہر ہونے کا حکم دیا۔

قرآن کریم میں حکم دینے کا طریق کار ''کُن''، دیگر کتابوں میں ''اوم'' اور ''کلام'' بیان ہوا ہے۔ ایسی آواز جس نے ذہن میں موجود پروگرام کو حرکت دی اور کائنات کے خدوخال عدم سے وجود میں آگئے۔

غور طلب ہے کہ کائنات کے مظہر بننے میں آواز کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی کائنات کی ہر مخلوق، منظر اور تصویر کی بنیاد آواز ہے۔

آواز کیا ہے، اس بارے میں غور وفکر کرتے ہیں۔

آواز دراصل ارتعاش (وائبریشن) ہے جو ہوا، پانی یا ٹھوس اشیا کے ذرات (مالیکیولز) کو میڈیم بنا کر سفر کرتی ہے۔ آواز کے سفر سے ذرات لہروں کی شکل میں حرکت کرتے ہیں۔ لہروں کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ ذرات کا سکڑنا، پھیلنا اور آگے بڑھنا۔

۲۔ آگے بڑھتے ہوئے اوپر نیچے حرکت کرنا۔

لہروں کی اقسام کا تعین فریکوئنسی اور طول موج (Wave Length) کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ لہر فاصلہ اوپر نیچے حرکت کرتے ہوئے طے کرتی ہے جسے طول موج کہتے ہیں۔

طول موج میں ایک حرکت اوپر کی طرف ہوتی ہے اور ایک حرکت نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ دونوں حرکتیں مل کر ایک چکر (سائیکل) پورا کرتی ہیں۔ ایک سیکنڈ میں کسی لہر کے جتنے سائیکل ہوتے ہیں وہ لہر کی فریکوئنسی کہلاتی ہے۔

طول موج زیادہ ہو تو فریکوئنسی کم ہوتی ہے — طول موج کم ہونے سے فریکوئنسی زیادہ ہو جاتی ہے۔

زمین پر موجود ہر شے کا قیام ''لہر'' پر ہے۔ لہر حرکت ہے اور تمام اشیا میں جاری ہے۔ کائنات میں ہر شے متحرک ہے۔ اگر شے حرکت میں نہ ہو تو وجود برقرار نہیں رہے گا۔

پہاڑ ساکت نظر آتے ہیں لیکن وہ ساکت نہیں ہیں، اپنی جگہ تبدیل کرتے ہیں اور پہاڑوں کی ساخت اور جسامت میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ پہاڑوں کی اونچائی بھی کم اور زیادہ ہوتی ہے۔

ماؤنٹ ایورسٹ پہاڑ جو 29,035 فٹ بلند ہے، ہر سال اس کی اونچائی میں 0.16 انچ کا اضافہ ہوتا ہے۔ سینٹ ہیلنس کا آتش فشاں پہاڑ امریکی ریاست واشنگٹن میں ہے، 1980ء میں آتش فشاں پھٹنے کے

بعد اس کی طوالت ایک ہزار تین سو تیرہ فٹ کم ہو کر 9,677 فٹ سے 8,364 فٹ رہ گئی۔

قرآن کریم میں پہاڑوں میں حرکت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور تو پہاڑوں کو دیکھے گا، تو خیال کرے گا کہ جمے ہوئے ہیں حالاں کہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے۔ بے شک وہ ان سب سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔''

(النمل : ۸۸)

غرض ہر شے حرکت میں ہے اور حرکت کی بنیاد لہر ہے — لہر آواز ہے۔ جو آوازیں سماعت میں آجاتی ہیں ہم ان سے واقف ہوتے ہیں لیکن ایسی آوازیں بھی ہیں جو آدمی کی سماعت سے ماورا ہیں لیکن انسان انہیں سنتا ہے۔

قرآن کریم میں آدمی کی تعریف، اسفل سافلین اور انسان کو احسنِ تقویم کہا گیا ہے۔ بتانا یہ ہے کہ آواز ہر شے کی بنیاد ہے۔

خالقِ کائنات کے ذہن میں کائناتی پروگرام کُن کی آواز کے ساتھ ظاہر ہو گیا۔ کُن کی آواز سے کہیں زمین بن گئی، کہیں سماوات وجود میں آئے، کہیں درخت بن گئے، کہیں جنات، فرشتوں اور انسانوں کا مظاہرہ ہوا اور مظاہرہ مسلسل ہو رہا ہے۔

تخلیقی مراحل کو مثال سے سمجھتے ہیں۔

ڈائریکٹر فلم بناتا ہے۔ فلم تصویری صورت میں فریم در فریم فیتے (Reel) پر نقش ہوتی ہے۔ فریموں کی تعداد بے شمار لیکن جس نے فلم بنائی ہے اس کے شمار میں ہے۔ فیتہ کو (جو مکمل پروگرام یا فلم ہے) پروجیکٹر پر لگا دیا جاتا ہے۔ پروجیکٹر کے چلنے سے آواز پیدا ہوتی ہے اور فلم کا فیتہ حرکت میں آتا ہے۔ یہ آواز اس وقت تک رہتی ہے جب تک پروجیکٹر کو بند نہ کر دیا جائے۔

پروجیکٹر میں روشنی فیتہ پر موجود فریم سے گزرتی ہے۔ فریم میں تصویروں کا عکس، لہروں پر سفر کر کے سنیما کی اسکرین پر مظاہرہ بنتا ہے۔ اسکرین تصویروں کو قبول کرتی ہے اور فلم خدوخال میں ظاہر ہو جاتی ہے — خدوخال روشنی ہیں۔ فلم اور اسکرین موجود ہوں لیکن پروجیکٹر نہ ہو تو فلم کا مظاہرہ زیرِ بحث نہیں آئے گا۔

مظاہرہ کے لئے اسکرین کا ہونا ضروری ہے۔ ''ذہن'' بھی اسکرین ہے جس پر ہم مختلف مناظر کو تصویری شکل میں دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ پیاس لگتی ہے اور پانی کا خیال شدت اختیار کر لیتا ہے۔

کسی کو پانی لانے کو کہا جائے تو یہ پانی کے تصور کو الفاظ میں بیان کرنا ہے۔ تصویر پانی لانے والے کے ذہن میں بھی بنتی ہے۔ سننے والے کا ذہن کہیں اور ہو تو اس کے ذہن میں پانی کی تصویر نہیں بنے گی۔ یعنی

ذہن نے ان لہروں کو قبول نہیں کیا جن میں پانی کی تصویر ہے۔ لہٰذا فرد الفاظ کے معنی نہیں سمجھا۔

بات چیت کرنا، ذہن میں خاکوں، تصویروں اور مناظر کا اظہار ہے۔ ایک شخص مری، ایبٹ آباد، کاغان اور ناران گھومتا ہے، پہاڑوں اور دریاؤں کے خوب صورت مناظر کا مشاہدہ کرتا ہے، تازہ فضا اور فرحت بخش ہوا سے کیفیات لطیف ہوجاتی ہیں۔

واپس آکر دوستوں سے سفر کا ذکر کرے گا تو دراصل وہ سارے مناظر، جذبات، کیفیات تصویری طور پر حافظہ کی سطح پر آجائیں گے اور وہ ان تصویروں کو الفاظ کا جامہ پہنائے گا اور دوسروں کو بتائے گا جس سے ذہن پر تصویروں کا عکس بنے گا۔ یعنی لہروں کے ذریعے سامعین کے ذہن کی اسکرین پر عکس بنے گا۔

کیفیت بھی تصویر ہے۔ کیفیت کا اظہار کیا جاتا ہے تو آواز کی شدت، اتار چڑھاؤ، دھیما پن یا تیزی کیفیت کی غماز ہوتی ہے اور سامعین آواز سے کیفیت کا اندازہ لگالیتے ہیں۔

علمائے باطن فارمولا بیان کرتے ہیں کہ آدم بحیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کے، مخلوقات میں اشرف ہے۔ وسائل اس کے تابع ہیں۔ لہٰذا ارادہ کرنے پر ذہن میں موجود تصویر حرکت میں آتی ہے۔

ارادہ بھی آواز ہے۔ ہر وہ شے جس میں وائبریشن ہے، آواز ہے۔ امر اس بات پر منحصر ہے کہ ارادہ میں کتنی یک سوئی ہے۔

ارادہ کی پختگی سے الفاظ میں قوت پیدا ہوتی ہے اور سننے والا (جس کی حیثیت وسیلہ کی ہے) ارادہ کی قوت کے تحت متحرک ہوجاتا ہے اور ارادہ کرنے والے کے ذہن میں تصویر نمایاں ہوجاتی ہے۔

کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ'' میں تحریر ہے:

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی خدمت میں ایک لڑکی کو پیش کیا گیا جو پیدائشی طور پر گونگی اور بہری تھی۔ جن لوگوں نے حضور قلندر بابا اولیاؒ کو قریب سے دیکھا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مزاج میں احتیاط بہت تھی اور وہ کرامات سے طبعاً گریز فرماتے تھے۔ اس دن نہ معلوم کون سا وقت تھا کہ حضور بابا جیؒ نے لڑکی کو مخاطب کر کے فرمایا، تیرا نام کیا ہے؟ گونگی بہری لڑکی کیا جواب دیتی، خاموش رہی۔ دوسری دفعہ پھر فرمایا، بتا تیرا نام کیا ہے؟ لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ تیسری بار انہیں جلال آگیا۔ سخت غصہ کے عالم میں فرمایا— بتا، تیرا نام کیا ہے—؟ اور لڑکی نے بولنا شروع کر دیا۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اور یاد کر جب ابراہیمؑ نے کہا، اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردہ کو کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں رکھتے۔ عرض کیا کہ کیوں نہیں، لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔ فرمایا تو چار جانور اڑنے والے پکڑ پھر انہیں خود سے مانوس کر لے۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

(البقرۃ: ۲۶۰)

جب فرد ذہن میں موجود تصویر کو بیان کرتا ہے تو الفاظ کی مدد لیتا ہے۔ ہر شے کی مقداریں معین ہیں۔ اس مخصوص تصویر کے لئے آواز کی جو فریکوئنسی اور ترکیب متعین ہے وہ حرکت میں آتی ہے۔ نتیجہ میں الفاظ فضا میں موجود ذرات کو ترتیب کے مطابق متحرک کرتے ہیں اور ذرات وہ شکل اختیار کر لیتے ہیں جو آواز کا منشا ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کچھ نہیں کہتا لیکن سمجھنے والا بات سمجھ جاتا ہے۔ اگرچہ خیال کے اظہار کے لئے آواز کا سہارا نہیں لیا گیا لیکن آواز موجود ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ آواز ارتعاش یعنی وائبریشن ہے۔ ارتعاش لہروں کے ذریعے پھیلتا ہے اور قرب و بعد میں لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔

وظائف اور اسم کے ورد میں بھی یہ اصول کارفرما ہے۔ مخصوص الفاظ کے دہرانے یا تکرار کے ذریعے ارادہ کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔

جس طرح کائنات کی ابتدا آواز کی کارفرمائی ہے، اسی طرح انتہا بھی ایک آواز ہے جسے قرآن کریم میں ''صور'' کہا گیا ہے۔

''اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب ہی گھبرائیں گے مگر جسے اللہ چاہے اور سب اُس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔''

(النمل: ۸۷)

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کائنات کی تخلیق اور آواز کے قانون سے متعلق اپنی رباعی میں فرماتے ہیں:

اک لفظ تھا، اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا، اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم
میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

ماہنامہ
روحانی ڈائجسٹ
کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

اللہ آسمان سے پانی برسا کر
زمین پر رزق رسانی کے لئے۔۔۔
انواع و اقسام کے ثمرات پیدا کرتا ہے۔

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُر کشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

عبدالعزیز

یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

جو بات محققین نے بیان کی یا جو ترقی اس وقت ہے — مرزا اسداللہ خان غالبؔ اس بات کو ڈیڑھ صدی قبل بیان کر چکے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغ رہ گزار بادیاں

اسداللہ خان غالبؔ نے تقریباً ہر موضوع پر اشعار قلم بند کیے ہیں۔ ان کی شاعری، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور فلسفیانہ شعور سمیٹے ہوئے ہے۔ گہرائی میں دیکھیں تو ان کی شاعری میں سائنسی شعور شد و مد سے دکھائی دیتا ہے۔ درج بالا شعر کی تشریح شارحینِ غالبؔ نے اپنے اپنے انداز اور فہم کے مطابق کی ہے۔ مضمون میں اسے سائنس کی شاخ ''حرکیات'' (تھرموڈائنامکس) کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حرکیات کا تصور اس وقت سامنے آیا جب 1824ء میں کارنو نے ایک مقالہ تحریر کیا۔ اس نے بتایا کہ حرارتی انجن کی کارکردگی کس طرح معلوم کی جائے۔ کچھ عرصہ گزرا تھا کہ اس کے مقاصد میں وسعت پیدا ہوئی اور اسے کائنات کے مجموعی مطالعہ میں استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح حرکیات کو شہرت مل گئی۔

قارئین کی آسانی کے لئے حرکیات (تھرموڈائنامکس) کو دو اصولوں کی مدد سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ پہلے اصول کا ابتدائی حصہ جول کا تجرباتی قانون ہے۔ جول کے مطابق حرکی توانائی کو حرارت میں تبدیل کرنے سے کام کی اکائیوں اور حاصل شدہ حرارت میں مستقل نسبت رہتی ہے۔ توانائی کے تصور کی وضاحت و توسیع ہوئی تو جول کے قانون میں بھی تبدیلی آئی اور اس طرح بیان کیا جانے لگا۔ آسانی کے لئے ہم اسے دو اصول کہہ سکتے ہیں۔ جب کسی قسم کی توانائی حرارت میں تبدیل ہوتی ہے تو حرارت سے کسی اور قسم کی توانائی کی تبدیل شدہ مقداروں میں نسبت مستقل رہتی ہے۔

عام زبان میں اس طرح بیان کیا جائے گا کہ طبیعی تغیر میں حرارت بلند تر درجہ حرارت کی طرف حرکت کرتی ہے اور یہ عمل اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے جب تک دونوں اجسام میں درجہ حرارت ایک ہو جائے۔

قانون بقائے توانائی کی رو سے دیکھا جائے تو توانائی

کی مقدار ہمیشہ مستقل رہتی ہے اور کسی بھی طبیعی تغیر میں اسے پیدا اور فنا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف اپنی شکلیں تبدیل کرنے پر قادر ہے لیکن شکلوں کی اس تبدیلی میں بعض ایسی شکلیں ہیں جو آدمی کے لئے کارآمد نہیں ہوتیں۔

فرض کیجئے کہ ہمارے پاس ایک ریلوے انجن ہے جسے ہم پٹری پر دوڑانا چاہتے ہیں ۔ اس مقصد کے لئے کوئلے کی کیمیائی توانائی (کیمیکل انرجی) کو بھاپ کی حرارتی توانائی (تھرمل انرجی) میں تبدیل کیا جائے گا اور بھاپ سے انجن چلا کر حرکی یا میکانی توانائی (مکینیکل انرجی) حاصل کی جائے گی تاکہ سفر ممکن ہو سکے۔ اس عمل کے دوران حرکی توانائی کا کچھ حصہ ریل اور پہیوں کی رگڑ میں صرف ہو جائے گا جو کوئی مفید کام سرانجام نہیں دے گا ۔ کچھ حصہ آواز میں تبدیل ہو کر فضا میں بکھر جائے گا۔ اسی طرح رگڑ سے جو حرارت پیدا ہوگی وہ بھی فضا میں بکھر جائے گی۔

کوئلے کی کیمیائی توانائی مختلف شکلیں اختیار کر کے فضا میں پھیل جاتی ہے جو ختم نہیں ہوتی بلکہ موجود رہتی ہے لیکن مفید صورت میں نہیں ، یہی عمل ہر طبیعی تغیر میں ہوتا ہے۔

ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ روز بروز کارآمد توانائی مختلف طبیعی تغیرات کے دوران ناکارہ توانائی میں بدلتی رہتی ہے اور مفید توانائی میں دن بہ دن کمی ہو رہی ہے۔ توانائی انتشار کا شکار ہو کر فضا کے دور دراز حصوں میں پہنچ کر ان کے درجہ حرارت میں اضافہ کر رہی ہے ۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی طبیعی تغیر میں توانائی کے قابل استفادہ صورت میں اضافے کے بجائے کمی ہو رہی ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ جب کائنات کی ساری توانائی منتشر ہو کر افادیت کھو بیٹھے گی۔

فرض کیجئے کہ ہم حرارتی توانائی کو میکانکی توانائی میں بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں سالمات (مالیکیولز) کی بے ہنگم حرکت کو ضبط (ترتیب) میں لانا ہوگا۔ حرارتی توانائی سالمات کی بے تکی حرکت کی وجہ سے ہے لیکن میکانکی توانائی کی صورت میں سالمات ایک سمت میں ایک رفتار سے حرکت کرتے ہیں اور ان میں نظم وضبط ہوتا ہے۔

حرکیات کا بنیادی قانون بتاتا ہے کہ توانائی کی مقداریں دونوں شکلوں میں برابر ہوں گی لیکن ان کی ماہیت میں فرق ہوگا۔ حرارتی توانائی میں سالمات کی بے ہنگم حرکت اور میکانکی میں باضابطہ حرکت دونوں توانائیوں کی ماہیت میں فرق کا باعث بن رہی ہے۔

غور کیا جائے تو ہم حرکت کی منظّم شکل سے بے ہنگم یا غیر منظّم حرکت کی طرف آسانی سے جا سکتے ہیں لیکن بے ہنگم سے منظّم شکل کی طرف سفر کٹھن ہے۔

مثال: فرض کیجیے ایک ڈبے میں دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں سفید اور دوسرے میں سرخ گولیاں ہیں۔ ڈبے

کو بار بار ہلائیں تو سفید و سرخ گولیاں آسانی سے مل جائیں گی — نظم سے بدنظمی پیدا ہوگی۔ ڈبے کو مزید جھٹکا دیں تو اس کا الٹ ناممکن ہے کہ گولیاں پھر سے اپنے اپنے حصوں میں جا کر منظّم ہوجائیں۔

مثال سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات میں غیر منظّم حالات پیدا ہونے کا امکان، منظّم حالات کی نسبت زیادہ ہے۔ سالمات (مالیکیولز) کے ایک ہجوم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے ہیں اور منظّم سے بے ہنگم حالت اختیار لیتے ہیں کیوں کہ اس کا امکان زیادہ ہے۔

حرکیات (تھرموڈائنامکس) میں ہم ایک اور اہم تصور سے روشناس ہوتے ہیں جسے ''ناکارگی'' کہا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ کوئی طبعی حالت نہیں جیسے دباؤ یا درجہ حرارت ہے ہم جس کا ادراک اپنے حواس سے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ آسانی کے لئے اتنا سمجھئے کہ کسی نظام میں نظم وضبط جتنا کم ہوگا— اس میں قابل استفادہ توانائی بھی اسی مناسبت سے ہوگی۔

بالفاظ دیگر ناکارگی (Entropy) کی زیادتی سے نظم وضبط میں کمی واقع ہوتی ہے تو بے ہنگم پن بڑھ جاتا ہے اور کارآمد توانائی کی کم مقدار حاصل ہوتی ہے۔ ناکارگی انتہائی حدود کو چھوتی ہے تو مزید تبدیلی نہیں ہوتی۔

حرکیات کا اصول بتاتا ہے کہ کسی بھی قدرتی نظام کی ناکارگی مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ جب کہ ناکارگی کم کرنا ہمارے بس سے قطعاً باہر ہے۔ کائناتی پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اس کی ناکارگی بھی مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ انجام اس وقت سامنے آئے گا جب ناکارگی (Entropy) انتہا کو چھولے گی۔

کائنات کی توانائی ناکارہ صورت اختیار کر جائے گی، گویا کائنات میں تغیر ختم ہوجائے گا۔ موجودہ حالت میں کائنات پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حرارت کی تقسیم یکساں نہیں— معین مقداروں پر قائم ہے۔

''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے کو مقداروں سے تخلیق کیا اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔'' (الاعلیٰ: ۱۔۳)

خلا کی تاریک گہرائیوں میں درجہ حرارت مطلق صفر سے محض تین یا چار درجہ تک بلند ہے۔ مگر سورج کی سطح کے قریب 6000 درجے اور اس کے مرکز میں تقریباً چار یا پانچ کروڑ درجے ہے۔ زمین کے ماحول کو دیکھا جائے تو درجہ حرارت یہاں بھی یکساں نہیں۔

مثلاً خطِ استوا پر موجود ممالک کا درجہ حرارت کچھ اور ہے اور قطبین پر درجہ حرارت الگ ہے۔

درج بالا بحث کا لبِ لباب کچھ اس طرح ہے کہ جیسے جیسے کائنات کے درجہ حرارت میں یکسانیت آتی جائے گی— ناکارگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور یہ عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کائنات

کے تمام علاقوں کا درجہ حرارت یکساں نہیں ہو جاتا۔ تب زندگی ناممکن ہوگی، مکمل سکون اور دائمی رات کا اندھیرا!

پوری غزل اس طرح سے ہے ـــ

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یاں
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہ گزارِ باد یاں
ہے ترحم آفریں آرائش بے داد یاں
اشک چشم دام ہے ہر دانۂ صیاد یاں
ہے گداز موم اندازچکیدن ہائے خوں
نیش زنبور اصل میں ہے نشتر فصّاد یاں
ناگوارا ہے ہمیں احسان صاحب دولتاں
ہے زرِ گل بھی نظر میں جوہر فولاد یاں
جنبشِ دل سے ہوئے ہیں عقدہ ہائے کار وا
کمتریں مزدور سنگیں دست ہے فرہاد یاں
قطرہ ہائے خون بسمل زیبِ داماں ہیں اسدؔ
ہے تماشا کردنی گل چینئ جلاد یاں

قارئین کی آسانی کے لئے کلام کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ کائنات فنا کی جانب گامزن ہے۔ سورج کی مثال ایسی ہے جیسے تیز ہوا کے دوش پر چراغ۔ ظلم آرائش بن کر قابلِ رحم ہے۔ صیاد کا ہر دانہ اشک بار ہے۔ خون موم بتی کے گداز کی مانند ٹپک رہا ہے۔ دولت مندوں کا احسان لینا ناگوار ہے۔ پھولوں کے زردانے بھی فولاد کی برچھی محسوس ہوتے ہیں۔ دل کسی پر آتا ہے تو مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں اور کم زور مزدور بھی فرہاد بن جاتا ہے۔ اے غالبؔ! قاتل کا دامن مقتول کے لہو کے قطروں سے سجا ہے، جلاد کی یہ گل چینی قابلِ دید ہے۔

بحث مدنظر رکھتے ہوئے غور کرتے ہیں کہ غالبؔ حقیقتاً اس شعر میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغ رہ گزار بادیاں

غالبؔ کے خیال میں کائنات کے تمام اجزا روبہ زوال ہیں۔ یہاں لفظ ''آفرینش'' استعمال ہوا ہے جو فارسی مصدر ''آفریدن'' سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے پیدا کرنا یعنی کائنات میں جو بھی چیز پیدا ہوئی یا تخلیق کی گئی، سبھی کو زوال ہے۔ سورج کو چراغ باد سے تشبیہ دے کر اس میں شامل کر دیا ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ کائنات اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ سورج بھی روبہ زوال ہے اور 25 کروڑ ٹن مادہ ہر منٹ میں شعاعوں کی شکل میں بکھیر رہا ہے۔ یہی حال دیگر ستاروں کا ہے۔

مرزا اسداللہ غالبؔ نے کائنات کی تباہی و بربادی کی توضیح کرنے کی غرض سے سورج کو بطور مثال منتخب کیا ہے کیوں کہ تمام کے تمام نظام شمسی کا انحصار سورج پر

ہے اور اگر سورج روبہ زوال ہے تو پھر نظام شمسی کے دیگر سیارے کیا معنی رکھتے ہیں؟

سورج بذات خود بقول غالبؔ، ایک ایسا چراغ ہے جو ہوا کے راستہ میں ضوفشاں ہے اور ظاہر ہے ہوا کے راستہ میں رکھا چراغ کسی بھی لمحہ یا کسی بھی جھونکے پر بجھ سکتا ہے۔ ہوا کے راستہ میں رکھے چراغ کا تا ابد روشن رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ غالب ''مہر گردوں'' کو اس سے تشبیہ دے کر اس کی زوال آمادگی واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس شعر میں گزرتے وقت کو ''باد'' یعنی ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر دیکھیں تو وقت یا زمانہ ایک غیر محسوس شے ہے اور غالب نے بڑی عمدگی سے ایک غیر محسوس شے کو محسوس سے تشبیہ دے کر اپنا مدعا واضح کر دیا ہے۔ وقت جس تیزی کے ساتھ چیزوں کو بدل رہا ہے اور توانائی دن بدن کائنات میں پھیل کر منتشر ہو رہی ہے وہ سب مادہ کے تغیر کا نتیجہ ہے۔ اور بقول غالبؔ وقت کی آندھی کے سامنے سورج ایسے طاقت ور چراغ کا ٹکنا مشکل ہے۔ گزرتے لمحوں کے ساتھ تبدیلیوں کا وقوع پذیر ہونا طبیعی تغیر کا نتیجہ ہے۔ یہ طبیعی تغیر ہمیں تباہی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ غالبؔ کے اس شعر میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ناکارگی کی ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

محقق جیمس جینز نے کتاب The Dying Sun میں اشارہ کیا ہے کہ سورج میں ہر وقت ایٹمی افتراق و امتزاج ہوتا رہتا ہے اور یہ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب سورج بجھ جائے گا۔ جب کہ چودہ سو سال پہلے قرآن کریم میں اعلان ہے:

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے اور جب جانیں جوڑ دی جائیں گی اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب آسمان کا پردہ ہٹایا جائے گا اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی، اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔'' (التکویر:۱-۱۴)

شعر کے دوسرے مصرعہ میں سورج کو ہوا کے راستہ میں رکھے چراغ سے تشبیہ دے کر اس کے بجھ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

شمس الرحمان فاروقی نے کتاب ''تفہیم غالبؔ'' میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے بقول، سورج کی سطح پر مسلسل برپا رہنے والے جوہری طوفان کے نتیجہ میں پروٹون (باردار ذرات) کا جم غفیر روشن

مٹی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔مساوات یہ بنی کہ مٹی درخت اور درخت مٹی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

آدمی بھی چار عناصر سے مرکب ہے۔اس ترتیب کا نام زندگی ہے۔جسم 65 فیصد پانی ہے۔تنفس کا عمل ثبوت ہے کہ ہم ساری زندگی ہوا کو جذب اور خارج کرتے رہتے ہیں۔معدہ کا نظام خراب ہوتو حبس ریاح کا مرض بھی لاحق ہوجاتا ہے۔

جسم کی حرارت سے سب واقف ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو صحت وتن درستی عطا فرمائیں۔تیز بخار کا تجربہ سب کو ہے۔مادی وجود مٹی سے بنا ہے اور حرارت آگ کی ایک صفت ہے۔عناصر بکھر جائیں تو اس عمل کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جوں ہی آخری سانس جاتا ہے، روح اور جسم کے رشتہ کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری درجہ حرارت صفر پر آجاتا ہے۔تدفین کے بعد مرکب جسم پانی اور مٹی بن کر تحلیل ہوجاتا ہے۔

غور طلب ہے کہ پانی، آگ، ہوا اور مٹی میں غالب عنصر پانی ہے۔اس حقیقت کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ تمام عناصر میں پانی کا عمل دخل ہے۔

مثال: مٹی میں نمی پائی جاتی ہے۔ ہوا میں بھی بخارات ہوتے ہیں۔ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس میز پر رکھیں تو تھوڑی دیر میں گلاس کی بیرونی سطح پر پانی کے قطرے جمع ہوجاتے ہیں۔ایسا کیوں ہے ___؟ اس لئے کہ آبی بخارات ہوا میں موجود ہیں جو پانی میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

ممکن ہے یہ جان کر آپ کو حیرانی ہو کہ آگ میں بھی پانی ہے۔شعلہ کے بنیادی اجزا کاربن ڈائی آکسائیڈ آکسیجن، نائٹروجن اور آبی بخارات ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آگ بجھانے کے لئے پانی احتیاط سے استعمال نہ کیا جائے تو آگ مزید بھڑک سکتی ہے۔

پروٹوپلازم جان دار اشیا کی بنیادی اکائی ہے۔اس کا تقریباً 85فیصد پانی ہے۔ کچھ جان داروں کا 90 فیصد جسم پانی سے بنا ہے جب کہ انسانی ساخت میں تقریباً 5 6 فیصد پانی ہے۔ ماہرین حیاتیات کے مطابق انسانی دل اور دماغ کا 73 فیصد، پھیپھڑے 83 فیصد، جلد64 فیصد، گردے79 فیصد اور ہڈیاں 31فیصد پانی پر مشتمل ہیں۔

نوزائیدہ بچہ کا جسم75 فیصد پانی سے تشکیل پاتا ہے۔ بچہ بڑا ہوتا ہے، اس مناسبت سے جسم میں پانی کا تناسب کم ہوتا رہتا ہے۔ پھلوں مثلاً آم، کیلا، سیب، تربوز وغیرہ میں وافر مقدار میں پانی ہے۔

پانی جسمانی نظام میں کئی افعال سرانجام دیتا ہے۔ خلیات کو توانائی فراہم ہوتی ہے۔جسم کے اندرونی درجہ حرارت کو متوازن رکھتا ہے۔غذا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے اور دورانِ خون میں توانائی شامل کرتا ہے۔

زہریلے مادوں کو جسم سے خارج کرتا ہے۔ دماغ، حرام مغز اور دیگر حساس اعضا کو اچانک دھچکے سے محفوظ رکھتا ہے۔لعاب بناتا ہے، نگلنے اور چبانے میں مدد ملتی ہے۔ جوڑوں کے لئے چکنائی فراہم کرتا ہے وغیرہ۔ پانی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ خلیات میں غذائی مادوں کو تحلیل کرتا ہے جو بعد میں خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔

کمی سے دماغ متعدد مسائل کا شکار ہو سکتا ہے جن میں یادداشت کی کمی، پریشان خیالی، ذہنی تھکاوٹ، سر درد، ڈپریشن اور بے خوابی سرفہرست ہیں۔

دماغ 73 فیصد پانی ہے اور افعال سرانجام دینے کے لئے پانی کا مرہون منت ہے۔ یہ برقی توانائی فراہم کرتا ہے۔ تجربات سے ثابت ہے کہ پانی کی کمی سے دماغی خلیات کا حجم کم ہوتا ہے اور خلیے سکڑتے ہیں۔ نتیجہ میں جسمانی افعال متاثر ہوتے ہیں۔دماغ سے جسمانی افعال کنٹرول کرنے کے لئے مختلف ہارمون پیدا ہوتے ہیں جو پانی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پانی ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کے ایک ایٹم سے مل کر اس طرح بنا ہے کہ ہائیڈروجن کے دو ایٹم، آکسیجن کے ایک ایٹم کے دونوں اطراف سے منسلک ہیں۔ ہائیڈروجن ایٹم پر مثبت چارج اور آکسیجن کے ایٹم پر منفی چارج ہے۔ پانی ایسا جوہر ہے جس میں منفی اور مثبت دونوں چارج بیک وقت موجود ہیں۔اس وجہ سے پانی کی خاصیت مقناطیس کی ہے جس میں مثبت اور منفی دونوں چارج ہیں۔

کشش و گریز کی قوت سے پانی کے مالیکیول میں تناؤ کی کیفیت رہتی ہے— پانی کو پانی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس خاصیت کی بنا پر پانی کی سطح پر پیپر کلپ کو آرام سے رکھا جائے تو وہ نہیں ڈوبتا۔

دیگر بہت سی اشیا مثلاً نمک، چینی، نامیاتی مرکبات، تیزابوں اور چند گیسوں وغیرہ کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ خود کو ٹھوس، مائع اور گیس تینوں حالتوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔ جم کر برف بنتا ہے تو یہ حالت ٹھوس ہے۔

پانی میں اس قدر ٹھوس پن ہے کہ لوہے اور دیگر دھاتوں سے بنی پانی کی پائپ لائنیں اکثر سردیوں میں برف بننے کی وجہ سے پھٹ جاتی ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں برف باری یا بارش ہوتی ہے، پانی بڑی بڑی چٹانوں کی دراڑوں میں جا کر برف بنتا ہے تو چٹانیں چٹخ کر ٹوٹ جاتی ہیں۔

پانی کے سارے خواص مخلوقات میں موجود ہیں۔ چودھویں کے چاند سے سمندر میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے۔سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھتی ہیں۔ چوں کہ مخلوقات کا بیش تر جسمانی ڈھانچا پانی پر مشتمل ہے— چاندنی کے اثرات رویوں پر پڑتے ہیں۔

چکور چاندنی رات میں چاند کی طرف پرواز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تحقیقات سے ثابت ہے کہ مضمون نگار

خواتین وحضرات کو مکمل چاند یا چودھویں رات کو لکھنے میں آسانی ہوتی ہے کیوں کہ خیالات کے بہاؤ میں تیزی آجاتی ہے۔اسی طرح چاندنی رات میں غصہ کرنے والے لوگوں کے رویوں میں شدت دیکھی گئی ہے۔یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ پاگل اور جنونی افراد کا جنون چاندنی راتوں میں عام راتوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر جان دار کو پانی سے تخلیق کیا ہے۔جسم میں پانی کی کثرت کے باعث مخلوقات کی فطرت وہی ہے جو پانی کی ہے۔پانی کی فطرت حرکت ہے۔متحرک رہنے سے آدمی فطرت سے قریب ہوتا ہے۔دریا میں طغیانی آجائے تو سطح پر عکس یا نقش نہیں بنتا۔

یہی صورت ذہن کی ہے۔ جب تک ذہن میں توازن قائم رہتا ہے، زندگی پرسکون گزرتی ہے۔ذہن خیال پر اس طرح رک جائے کہ شک اور وسوسے پیدا ہوں تو یہ پریشان خیالی ہے۔اس کیفیت میں کوئی کام درست نہیں ہوتا اور خاطر خواہ نتائج نہیں نکلتے۔

پانی ٹھہر جائے، گدلا ہو جاتا ہے اور تعفن ظاہر ہوتا ہے۔اسی طرح ذہن پر جمود طاری ہو تو آدمی معاشرہ میں عضو معطل بن جاتا ہے۔

ہر شے کی بنیاد روشنی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔''

(النور:۳۵)

پانی اور روشنی کے ربط سے متعلق قرآنی آیات کی تشریح کتاب ''شرح لوح وقلم'' میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے اس کی بنیاد روشنی کے اوپر قائم ہے۔ایسی روشنی جس کے اندر بہاؤ ہے۔اس روشنی اور روشنی کے اسی بہاؤ کو قرآن پاک ''ماء'' کہتا ہے۔قرآن پاک نے جس روشنی کو ماء یعنی روشنی کے نام سے متعارف کرایا ہے سائنس اسی روشنی یا پانی کو گیسوں کے نام سے جانتی ہے۔روشنیوں کے بہاؤ سے مراد یہ ہے کہ صدہا گیسوں کے اجتماع سے شکلیں وجود میں آتی ہیں۔ایک گلاس میں پانی بھر کر دیوار پر پھینک دیں۔ پانی پھینکنے کے بعد پوری طرح پھیل جائے تو اسے غور سے دیکھیں۔ دیوار کے اوپر مختلف شکلیں نظر آئیں گی۔جس طرح دیوار کے اوپر پانی پھیل کر اور بکھر کر مختلف شبیہیں بنا لیتا ہے اسی طرح نزول کرنے والی روشنیاں جب کائنات کی اسکرین پر نزول کرتی ہیں تو شکلیں بنتی ہیں۔''

★ قارئین تجربہ کر کے نتائج سے ادارہ کو مطلع کیجئے۔

حامد ابراہیم

روحانی سائنس

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۟ۚ

''ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، بولا کہ میں تخت کو آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پس جب اس نے دیکھا تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا تو کہا، یہ میرے رب کا فضل ہے۔'' (النمل: ۴۰)

جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے قرآن کریم میں بیان کئے گئے قصہ میں عجائبات اور اسرار و رموز ہیں۔ اس واقعہ میں ایک مقام ایسا ہے جو پورے قصہ کا نکتۂ عروج اور غیر معمولی توجہ کا طالب ہے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے:

''کہا اے اہلِ دربار! تم میں سے کون ہے جو اس کے تخت کو لے آئے گا اس سے پہلے کہ وہ سب میرے پاس مطیع و فرماں بردار ہو کے آئیں۔ جنات میں سے ایک فرد عفریت نے کہا، میں اس تخت کو آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ دربار برخاست ہو اور میں اس معاملہ میں طاقت ور، امانت دار ہوں۔ ایک شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، بولا کہ میں تخت کو آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے۔ پس جب اس نے دیکھا تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا تو کہا، یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر ادا کیا بے شک اس نے شکر ادا کیا اپنی ذات کے لئے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے نیاز، بڑے کرم والا ہے۔'' (النمل: ۳۸-۴۰)

آیئے ان آیات کا سائنسی تجزیہ کرتے ہیں اور علمائے باطن کے علم یعنی روحانی سائنس کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت سلیمانؑ اہلِ دربار کو ملکہ سبا کا تخت لانے کا حکم دیتے ہیں جو سائز اور وزن کے اعتبار سے غیر معمولی ہے۔ دل چسپ نکتہ یہ ہے کہ بادشاہ کو اہلِ دربار کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ براہ راست کسی کو تخت لانے کا حکم دے سکتے تھے لیکن دربار میں حاضرین کے سامنے اعلانیہ حکم میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ اللہ کی عطا کردہ مخصوص صلاحیت یا "علم" دربار کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔

۲۔ شرط یہ رکھی کہ ملکہ اور اس کے اہلِ دربار کی آمد سے قبل تخت لایا جائے۔ دربار کے مقام یعنی بیت المقدس اور سلطنت سبا کا درمیانی فاصلہ 1500 میل (2414 کلومیٹر) بتایا گیا ہے۔

۳۔ ایک طاقت ور جن، عفریت کہتا ہے کہ میں تخت کو دربار میں حاضر کرسکتا ہوں اس سے پہلے کہ دربار برخاست ہو۔ بہرحال یہ طے شدہ ہے کہ عفریت جن یہ کام ملکہ کی آمد سے قبل سرانجام دے سکتا تھا۔

۴۔ دربار میں موجود نوعِ انسان میں سے ایک فرد (قرآن میں اس فرد کے نام کے بجائے علمی خصوصیت کے حوالہ سے تعارف ہے۔ روایات میں نام آصف بن برخیا بتایا گیا ہے) جس کے پاس کتاب کا علم ہے، عرض کرتا ہے کہ میں تخت حاضر کرسکتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے — اور فوراً عملی مظاہرہ بھی ہوگیا — حضرت سلیمانؑ کی پلک جھپکنے سے قبل نقش و نگار سے مزین تخت دربار میں موجود تھا۔

پلک جھپکنے کا دورانیہ:

۱۔ پلک جھپکنے کا دورانیہ عام حالات میں 400,300 ملی سیکنڈ یا اوسطاً 350 ملی سیکنڈ ہوتا ہے جو ایک سیکنڈ کا قریباً ایک تہائی ہے۔ 350 ملی سیکنڈ پلک جھپکنے کا پورا دورانیہ ہے۔ آنکھ کھلتی ہے، پردہ کی حرکت ڈیلے پر پڑتی ہے تو یہ ایک نصف ہوا یعنی 175 ملی سیکنڈ۔ اس کے بعد پردہ ہٹتا ہے اور آنکھ کھلتی ہے تو یہ دوسرا نصف ہے — اس کا دورانیہ بھی 175 ملی سیکنڈ ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ جس شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ پلک جھپکنے سے قبل تخت حاضر کرسکتا ہے اس کے پاس صرف 175 ملی سیکنڈ (جس کو منٹ کے وقفہ سے بیان نہیں کیا جاسکتا) یا اس سے بھی کم وقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پردہ آنکھ کے ڈیلے پر پڑے تو کھلنے سے پہلے تخت موجود ہو۔

قارئین! ذرا غور کریں کہ پلک جھپکنے کے وقفہ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ اتنے منفی وقت میں ہزاروں میل سے بھاری بھرکم تختِ شاہی کو منتقل کرنے کی رفتار شعوری جمع تفریق اور حسابی قاعدوں سے ماورا ہے۔

۶۔ امریکی خلائی ادارہ ناسا کے محققین دعویٰ کرتے ہیں کہ ابھی تک آدمی نے ان کے بقول کوئی تیز رفتار ترین شے ایجاد کی ہے تو وہ Helios-2 نامی سیٹیلائٹ ہے جو 15 جنوری 1976 کو زمین سے خلا میں چھوڑا گیا۔ اس کا ہدف سورج کے قریب مدار تھا

تاکہ سورج کی مقناطیسی خصوصیات کا گہرا جائزہ لیا جاسکے۔ تین سال تک سیٹلائیٹ نے معلومات جمع کیں۔اس کے بعد سے یہ اب تک بے کار حالت میں سورج کے قریبی مدار میں محوِ گردش ہے۔ محققین نے اس کی رفتار 43.63 میل فی سیکنڈ یا 70 کلومیٹر فی سیکنڈ بتائی ہے جو زمینی ماحول کے اعتبار سے غیر معمولی حد تک تیز رفتار ہے لیکن روشنی کی رفتار (یعنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ یا ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ) کے سامنے بے معنی ہے۔

علم الکتاب کیا ہے —؟

علم الکتاب — یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ روحانی سائنس ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں روحانی سائنس کی جانب متوجہ کیا گیا ہے۔

موجودہ دور میں سائنسی علوم کا مرکز محض مادہ بنا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے سائنسی علوم کو محدود کردیا گیا ہے اور اس میں تخریبی ذہن اور لالچ شامل ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنسی ایجادات کی بہتات اور سہولیات کی فراوانی کے باوجود آدمی بے سکون ہے۔

بہرحال علم الکتاب کے تحت ٹائم اسپیس کی نفی اور اشیا کی بغیر کسی مادی وسیلہ کے ایک مقام سے دوسرے مقام منتقلی (Teleportation) ممکن ہے۔

موجودہ دور میں سائنس ابھی تک رفتار کے مسئلہ پر قابو نہیں پاسکی۔ محققین نے روشنی کی رفتار کو آخری حد قرار دیا ہے جب کہ اس رفتار کا سوواں حصہ بھی حاصل نہیں ہوسکا۔ روحانی علوم میں حواس کی رفتار روشنی کی رفتار سے تیز ہے۔

روحانی سائنس کی روشنی میں:

’’سیدنا حضورؐ کا علم ’’علم الکتاب‘‘ ہے۔ یہی علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اولیاء اللہ کو منتقل ہوتا ہے اور اسی علم کے ذریعے کرامات صادر ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی سائنس ہے جو روحانیت کا ورثہ ہے۔ علم الکتاب، علمِ لدنی ہے۔ علمِ لدنی میں وہ تمام علوم زیر بحث آتے ہیں جن علوم کی بنیاد پر کائنات تخلیق ہوئی۔ علم الکتاب کو حاصل کرنا تفکر کے ذریعے ممکن ہے۔ تفکر کا اصل اصول معلوم کرنے کے لئے روح سے وقوف ضروری ہے۔‘‘

غور طلب مقام ہے کہ اگر علم الکتاب، تفکر کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے تو تفکر کی حقیقت اور صحیح طرزوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔

تفکر کیا ہے؟ عام زبان میں تفکر کو انا کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ یعنی جتنی مخلوقات ہیں، ان کا تعلق کسی بھی نوع سے ہو، بنیادی طور پر مختلف قسم کے تفکر ہیں۔ ایک

ذرہ سے لے کر ستارہ تک اور نباتات و جمادات سب دراصل تفکر ہیں۔

انسان بھی ایک تفکر ہے اور فرشتہ اور جنات بھی تفکر ہیں۔ بندہ بھی تفکر ہے اور تخت بھی۔ بندہ کا تفکر یا انا کی لہریں تخت کے تفکر میں جذب ہوگئیں۔

جن مقداروں اور کیفیات سے تخت وجود میں آیا ہے وہ سب مقداریں بندہ کے تفکر کا حصہ بن گئیں۔ نتیجتاً بندہ نے تخت کی ان مقداروں کو جہاں بھی حرکت دی تخت وہاں ظاہر ہوگیا۔

شہنشاہِ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ فرماتے ہیں:

"تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ سے ان میں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ ہستی ہیں جو لاشمار کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں مثلاً بصارت، سماعت، تکلم، محبت، رحم، ایثار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپا لے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔ یہ تینوں ساخت اس لئے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسری انواع سے زیادہ ہیں۔"

ہزاروں میل کی مسافت سے تخت کا بغیر کسی وقفہ کے منتقل ہو جانے کا فارمولا عظیمی صاحب نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

"ٹائم اسپیس کی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے شعور کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملکۂ سبا کا تخت، خیال کی رفتار سے پلک جھپکتے میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں پہنچ گیا یعنی بندہ کے خیال کی لہریں تخت کے اندر کام کرنے والی لہروں میں جذب ہو کر تخت کو منتقل کرنے کا ذریعہ بن گئیں۔"

روشنی کی رفتار 3,00,000 کلومیٹر فی سیکنڈ بتائی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ رفتار عام شعوری حساب سے بہت تیز ہے لیکن اس کی تیزی، سستی میں بدل جاتی ہے جب ہم کائناتی فاصلوں کی بات کرتے ہیں۔

پتہ نہیں کتنے ہی ایسے ستارے ہیں جن کی روشنی لاکھوں سال سے محوِ سفر ہے اور ہم تک نہیں پہنچی اور یہ بھی نہیں پتہ کہ پہنچے گی بھی یا نہیں۔

"سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار

قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں، انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔"

(کتاب: تذکرہ بابا تاج الدینؒ)

نوعِ آدم کی یہ اولین ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ آسمانی کتابوں اور آخری الہامی کتاب قرآن کریم میں بیان کردہ تسخیری فارمولوں میں غور وفکر کرے اور دنیا کو سکون آشنا اور گل وگلزار بنا دے۔

تسخیری فارمولوں اور علم الکتاب کی حیثیت امتِ مسلمہ کے لئے وہی ہے جو جسم کے لئے جان کی ہے۔

انسان روح ہے۔ روح امرِ رب ہے، امر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور یہ ارادہ وجۂ تخلیق کائنات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یہ لوگ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں اس کا قلیل علم دیا گیا ہے۔"

(بنی اسراءیل:۸۵)

پلک جھپکنے کا دورانیہ عام حالات میں 300، 400 ملی سیکنڈ یا اوسطاً 350 ملی سیکنڈ ہوتا ہے جو ایک سیکنڈ کا قریباً ایک تہائی ہے۔ 350 ملی سیکنڈ پلک جھپکنے کا پورا دورانیہ ہے۔ آنکھ کھلتی ہے، پردہ کی حرکت ڈیلے پر پڑتی ہے تو یہ ایک نصف ہوا یعنی 175 ملی سیکنڈ۔ اس کے بعد پردہ ہٹتا ہے اور آنکھ کھلتی ہے تو یہ دوسرا نصف ہے — اس کا دورانیہ بھی 175 ملی سیکنڈ ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کے امر میں سے ہے لیکن بظاہر کتنا مجبور و لاچار ہے۔ مجبور اور لاچار ہونے کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہم علم الکتاب سے ناواقف ہیں۔ یہی ناواقفیت وہ متعفن پھوڑا ہے جس نے ہمیں تسخیر کائنات کے فارمولوں سے محروم کر دیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن میں تفکر کر کے اس گم کردہ راہ کو تلاش کریں اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام سے فیض یاب ہو کر سرفرازی اور بلندی حاصل کریں۔ ضروری ہے کہ ترجمہ سے قرآن پڑھیں اور قرآن پڑھنے کے لئے عربی زبان سیکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسوۂ رسولِ مقبولؐ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

PRIME PACK INDUSTRIES

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

C-21, S.I.T.E
Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

سید اسد علی

لباس ـــــ بے لباس

لباس کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف عقل مندوں کونظر آتا ہے۔ التجا ہے ملک کی ہر بستی میں اعلان کروادیں کہ آپ کے لئے شاہی لباس تیار ہورہا ہے جو صرف عقل مندوں کونظر آتا ہے ـــــ بیوقوف دیکھ نہیں سکتے۔

ملک کمالستان میں زور آور نامی بادشاہ کی حکومت تھی۔ باشندے پڑھے لکھے اور خوش حال تھے مگر یقین صرف ظاہری زندگی پر تھا اور مرنے کے بعد کی زندگی کو فسانہ قرار دیتے تھے۔

ان دنوں ایک سوداگر اور اس کے ملازم کا بہت چرچا تھا۔ سوداگر ”نفس“ اور ملازم کا نام عمرو تھا۔ دونوں عیاری سے سادہ لوح افراد کو لوٹتے تھے۔ منصوبہ بنایا کہ ملک کمالستان کے امیر افراد کو جھانسا دینا چاہئے۔ کئی ماہ تک کوشش کی کہ وہاں کے باشندوں کی کمزوریاں معلوم ہوں لیکن ناکام رہے۔

بہت سوچ بچار کے بعد ایک روز ملازم عمرو نے حکمتِ عملی وضع کی۔ سوداگر ”نفس“ ملازم کی ذہانت سے واقف تھا، منصوبہ پر آمادہ ہوگیا۔ منصوبہ کے تحت پہلے مرحلہ میں ملک کمالستان کے گورنروں، وزیروں اور بادشاہ کے رشتہ داروں کو دعوتیں دینا تھیں۔

”نفس“ نے مہمانوں سے خود کو متعارف کروایا کہ میں بہت بڑا سوداگر ہوں، آج کل آپ کے ملک میں مہمان ہوں۔ کاروباری سرگرمیاں شروع کرنے سے پہلے سوچا کہ سب سے ملاقات ہوجائے۔

پرتکلف دعوت سے امرا بہت متاثر ہوئے۔

اس کے بعد سوداگر نے بادشاہ زور آور کے دست راست وزیرِ خصوصی کو دعوت دی۔

دورانِ گفتگو وزیرِ خصوصی سے پوچھا۔

بادشاہ سلامت کو کیا پسند ہے؟

وزیر نے بتایا، عالی جاہ کو خوب صورت لباس بہت پسند ہیں۔ قیمتی لباس پر جان چھڑکتے ہیں۔

”نفس“ نے وزیرِ خصوصی سے کہا، شاہی لباس بنانے میں ہمیں مہارت ہے البتہ پہلے ہم بادشاہ سلامت کے شایانِ شان ان کی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔ درخواست ہے کہ بادشاہ کو راضی کرلیں۔ وزیر نے ہامی بھرلی۔

دعوتوں کے بعد سوداگر نے حساب کتاب لگایا تو پتہ چلا کہ آدھی سے زیادہ جمع پونجی دعوتوں میں خرچ ہو چکی ہے لیکن ابھی تک مقصد حاصل نہیں ہوا۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔عمرو کو بلایا اور خوب غصہ کیا۔

تمہارے کہنے میں آ کر میں نے بے شمار دعوتیں کر ڈالیں لیکن نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بادشاہ کی دعوت کے بعد میں سڑک پر آ جاؤں گا۔

عمرو بولا: آپ کی پریشانی کا حل میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر گیا۔تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو ہاتھ میں چمک دار تلوار تھی۔

سوداگر ڈر گیا کہ عمرو کے ارادے صحیح نہیں ہیں، مجھے مار کر مال و دولت پر قبضہ کر لے گا۔ دوسروں کا شکار کرنے والا آج خود شکار ہو گیا ہے۔

وزیر خصوصی محل میں داخل ہوا۔

بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا، عالی جاہ کا اقبال بلند ہو۔حضور! شاہی لباس بنانے والے سوداگر ملک میں آئے ہیں — آپ کو مدعو کرنا چاہتے ہیں، دعوت قبول فرمالیں تو نوازش ہوگی۔

بادشاہ زورآور نے کہا، ضرور اگر بہترین لباس پیش کر سکے تو اسے ہیرے جواہرات میں تول دیں گے۔

وزیر نے پیغام بھجوایا کہ دعوت کی تیاری کریں۔

عمرو آگے بڑھا —

سوداگر کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا لیکن یہ کیا — اس نے تلوار سوداگر کے ہاتھوں میں دے دی اور چند قدم پیچھے ہٹ کر بولا، اگر آپ کو ذرا بھی شک ہے تو غلام کا سر اسی وقت قلم کر دیں۔ نقصان یہ ہوگا کہ آپ کامیابی کو ناکامی میں بدل دیں گے۔ حکمت عملی کا دوسرا مرحلہ میں دعوت سے پہلے بتاؤں گا۔

سوداگر نے مفادات کو مدنظر رکھ کر سوچا کہ عمرو کو مارنا سودمند نہیں اور اسے کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

رات، عمرو بستر پر لیٹے ہوئے سوچ رہا تھا کہ سوداگر کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کا نفسیاتی حربہ کامیاب رہا ہے۔

بادشاہ مصاحبوں کے ہم راہ دعوت میں پہنچا۔

نفس سوداگر نے بتایا کہ وہ شاہی لباس بنانے میں مہارت رکھتا ہے۔ اس پائے کا لباس کوئی نہیں بنا سکتا۔ ایک گھنٹے تک لباس کی خوبیاں بیان کیں۔

بادشاہ خوش ہو گیا اور کہا کہ لباس تعریف کے مطابق ہوا تو تمہیں ہیرے جواہرات میں تول دیں گے البتہ انعام لباس پہننے کے بعد دیا جائے گا۔

سوداگر نے کہا، بادشاہ سلامت! انعامات ہمارا مقصود نہیں، لباس دیکھ کر آپ خود انعام دگنا کر دیں گے۔ بس ہماری ایک شرط ہے۔

بادشاہ نے سوالیہ نظروں سے سوداگر کو دیکھا۔

سوداگر بولا، لباس کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف عقل مندوں کو نظر آتا ہے۔ التجا ہے کہ ملک کی ہر بستی میں

اعلان کروادیں کہ آپ کے لئے شاہی لباس تیار ہو رہاہے جوصرف عقل مندوں کونظر آ تا ہے—بے وقوف دیکھ نہیں سکتے۔

بادشاہ کے لئے بستی بستی اعلان کرانا مشکل نہیں تھا لہٰذا شرط قبول کر لی گئی۔

تین ماہ کے وعدہ پرلباس بنانے کا کام شروع کر دیا۔ گلی گلی، محلے محلے، گاؤں گاؤں سرکاری اہل کار نقارے بجاتے اور شاہی لباس کا اعلان کرتے۔لوگوں کو بتاتے کہ لباس صرف عقل مندوں کونظر آئے گا۔

تین ماہ سے ایک دن اوپر ہوا تو بادشاہ نے سرکاری کارندے بھیجے۔ سوداگر نے پیغام بھیجا کہ ناگزیر وجوہات کی بناپر تین ماہ اور لگیں گے اور ہماری شرط پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔ اعلان کرنے والے سرکاری اہل کاروں کی تعداد دگنی کر دی گئی۔

وقت مقررہ پر سوداگر نے خط لکھا کہ عالی جاہ کا لباس پوری دنیا میں منفرد ہوگا، جلد بازی میں کام خراب کرنا نہیں چاہتے، تین ماہ کا وقت مزید عنایت فرمادیں لیکن شکایت ہے کہ ہماری شرط پر صحیح طرح عمل نہیں ہوا۔

خط پڑھ کر شاہی اہلکاروں کی تعداد مزید بڑھادی گئی اور حکم دیا گیا کہ اعلان صبح سے شام تک ہونا چاہیے۔

تین ماہ مکمل ہونے پر سوداگر خود دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ حضور کا اقبال بلند ہو! لباس مکمل ہوا چاہتا ہے مگر تخلیقی کاموں میں وقت لگتا ہے۔ کپڑے کے تار انتہائی نازک ہیں، تین ماہ کا وقت اور دے دیں، شاہکار سامنے آجائے گا لیکن اتنے اہم کام کو چھوڑ کر خود اس لئے حاضر ہوا کہ ابھی بھی ملک کے کئی علاقوں میں شاہی لباس کا اعلان نہیں ہوا ہے۔

بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔

حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے اعلان کیا جائے۔ غفلت کا مرتکب اہل کار عمر قید کا حق دار ہے۔

عوام اعلانات سن سن کر تنگ آگئے، بچے بچے کو یاد ہو گیا کہ شاہی لباس صرف عقل مندوں کو نظر آئے گا بے وقوفوں کو نہیں۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ نفس سوداگر اور ملازم عمرو بگھی میں لباس لے کر حاضر ہوئے۔ لباس صندوق میں بند تھا۔ دربار کی کارروائی روک دی گئی۔

سوداگر نے درخواست کی کہ بادشاہ سلامت! لباس ہم خود آپ کو پہنائیں گے۔

بادشاہ دربار سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور لباس پہن کر نفس اور عمرو کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ کے کر وفر میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا جیسے دنیا فتح کر لی ہو۔ نفس سوداگر اور عمرو کے چہرہ پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی کہ انہوں نے بڑا معرکہ سرانجام دیا تھا۔

لباس کو دیکھ کر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ سب پریشان تھے مگر چہروں پر مسکراہٹ سجی

ہوئی تھی ۔اس فن میں انہیں کمال تھا۔سب نے بیک وقت فیصلہ کرلیا کہ کیا کرنا ہے۔

کھڑے ہوئے اور بلند آواز میں کہا،

بادشاہ سلامت کا اقبال بلند ہو ، ایسا لباس کبھی سنا نہ دیکھا ۔ یہ عظیم شاہ کار ہے— سبحان اللہ!

بادشاہ تخت پر براجمان ہوا۔تعریف سن کرخوشی ہوئی۔ انعامی رقم سے کئی گنا زیادہ دینے کا اعلان کیا۔

سوداگر نفس اور عمر و انعام حاصل کرنے کے بعد تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ملک کمالستان کی سرحد عبور کرگئے۔

رات خواب گاہ میں بادشاہ آئینہ کے سامنے کھڑا ہوا اور دہل گیا— دھوتی اور بنیان پہنی ہوئی تھی اور بے ہنگم توند نمایاں تھی ۔سوچا کہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کو بے وقوف بنا دیا گیا ہے تو تضحیک ہوگی اور بغاوت کا خدشہ ہے۔

سوداگر کا اعلان یاد آیا جو اس نے ملک بھر میں کروایا تھا کہ لباس صرف عقل مند کو نظر آئے گا، بے وقوف نہیں دیکھ سکتا۔ اس بہانہ نے اسے مطمئن کردیا۔ وہ اپنے کارندوں کو عیار سوداگر اور اس کے غلام کو گرفتار کرنے کا حکم بھی نہیں دے سکتا تھا۔خود نمائی کے احساس کی وجہ سے عجب مشکل سے دوچار تھا۔

ملکہ سے پوچھا، ملکہ حسن آرا! ہم نئے شاہی لباس میں کیسے لگ رہے ہیں—؟

ملکہ نے سوچا کہ بادشاہ مزاج شناس نہ ہونے کی وجہ سے دو ملکائیں تبدیل کرچکا ہے، ایسا نہ ہو سچ برداشت نہ کرسکے اور مجھے بھی چھوڑ دے۔

بادشاہ سلامت! ایسا لباس پہلے کبھی دیکھا نہ سنا، یہ جنت کا لباس ہے۔ آپ کی شخصیت طلسماتی ہوگئی ہے۔دیکھنے والا دیکھتا رہ جائے گا۔

صبح وزیر خصوصی کو محل میں طلب کیا۔وزیر جانتا تھا کہ لباس سے متعلق رائے لی جائے گی۔ بادشاہ پہلے بھی کئی وزیروں کو قید خانہ میں ڈلوا چکا ہے۔ غلطی ہوگئی تو—؟

وزیر سے پوچھا، کیا ہمیں نئے شاہی لباس پر کوئی قصیدہ لکھوانا چاہئے؟ اور تم نے ابھی تک تعریف نہیں کی۔

حضور! دو شاعروں کو قصیدہ لکھنے کا حکم دے چکا ہوں۔دنیا کا سفر کیا ہے اور ہر طرح کے لباس دیکھے ہیں مگر جو چمک آپ کے لباس میں ہے، کہیں نہیں۔

کچھ دنوں کے بعد بادشاہ شاہی دستوں کے معائنہ پر روانہ ہوا۔ چلتے ہوئے توند لہراتی تھی، عجیب مضحکہ خیز منظر ہوتا لیکن مجال ہے کوئی ہنس سکے۔

فوج کے امیر سے پوچھا، ہمارا لباس کیسا ہے؟

امیر سپاہ نے سوچا کہ اپنی بولوں گا تو بے وقوف کہلاؤں گا اور امیر سپاہ کی بے وقوفی کی سزا موت ہے۔

مسکراہٹ سجا کر بولا ،حضور لباس سے ایسی روشنی نکلتی ہے کہ دیکھنے والے مست و بے خود ہوجاتے ہیں۔اس

دفعہ جنگ میں اگر اس لباس کا نظارہ دشمن فوج کو کرادیا گیا تو یقین ہے کہ ہم جنگ جیت لیں گے۔

بادشاہ نے عام افراد سے رائے لینا شروع کی۔

شاہی دستہ ایک گاؤں کے پاس سے گزر رہا تھا، بادشاہ شاہی بگھی سے اترا، کسان کے پاس پہنچا۔

پوچھا، اے کسان! بتاؤ ہمارا لباس کیسا ہے؟

ہاتھ جوڑ کر کہا، عالی جاہ کا اقبال بلند ہو، لباس بہت اچھا ہے۔ غرض ہر فرد بادشاہ کے لباس کی تعریف کرتا اور بادشاہ اسے انعام دیتا۔

ایک روز بادشاہ کی بگھی کے سامنے ایک فقیر آ کھڑا ہوا۔ چہرہ پر عجب شانِ بے نیازی تھی۔

کہا، اے بادشاہ! دھوتی بنیان کیوں پہن رکھی ہے؟

سپاہیوں نے فوراً فقیر کو بگھی کے سامنے سے ہٹایا۔

لیکن فقیر کی بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ منافقت کے بت لرزنے لگے۔

بادشاہ نے سوچا کہ آخر کوئی تو ہے جس کے پاس سچ کی شمع روشن ہے۔

رات دو بجے سب درباری سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔

قاضی بولا: بات بہت آگے بڑھ چکی ہے — بادشاہ کو صحیح صورتِ حال معلوم ہوئی تو ہماری سزائے موت یقینی ہے۔ مشاورت صبح تک چلتی رہی۔

صبح وزرا نے بادشاہ کے کان بھرے — بادشاہ حقیقت جانتا تھا لیکن سوچا کہ اگر میں نے مشیروں کی بات نہ مانی تو حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

فقیر کو قید کرنے کا حکم دیا۔

موسم تبدیل ہو رہا تھا، سردی بڑھ گئی تھی۔ بادشاہ زور آور کشمکش میں تھا۔ لباس تبدیل کرتا تو عقل مندوں کو کیا جواب دیتا اور نہ کرتا تو سردی میں ٹھٹھر جاتا — وہ فقیر کا معتقد ہو گیا تھا لیکن بہت مجبور تھا۔

ایک رات رازداری سے قید خانہ گیا۔

فقیر نے کہا، اس مشکل سے نجات کے لئے تمہیں بچہ بننا پڑے گا اس لئے کہ بچہ خودنمائی سے پاک ہوتا ہے، چیزوں کے کھو جانے کا غم نہیں کرتا، توجہ دوسری جانب مبذول کر لیتا ہے۔

بادشاہ ساری رات سوچتا رہا کہ وہ بچہ کیسے بنے۔

صبح کئی بچوں کو محل میں جمع کیا اور ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے ایک بچہ نے دوسرے سے توتلی زبان میں کہا، بادشاہ نے پھٹی ہوئی دھوتی بنیان کیوں پہنی ہے۔ دوسرے بچہ نے کہا، لگتا ہے کہ اماں نے ان کے کپڑے بھی نہیں دھوئے۔

بادشاہ نے سوالیہ نظروں سے وزرا کو دیکھا۔

وہ چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

بادشاہ زور آور نے سرد لہجہ میں وزرا سے کہا، بچے جھوٹ نہیں بولتے، من کے سچے ہوتے ہیں۔

وزرا شرمندہ تھے۔

بادشاہ فقیر کے پاس گیا، رہا کرنے کا حکم دیا اور قید میں رکھنے پر معافی مانگی۔

فقیر بولا، المیہ یہ ہے کہ آدمی نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں خود کو قید کرلیا ہے۔ عارضی اشیا، فانی زندگی اور مسافرت کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔

جس محل میں تم رہتے ہو،
جو تاج پہنتے ہو،
جس تخت پر بیٹھتے ہو،
سب چھوڑنے پر مجبور ہو—

نہ چہیتی بیوی ساتھ جاتی ہے نہ مشیروں کی فوج کسی کو مرنے سے روک سکی ہے۔

کیسی خود فریبی ہے کہ آدمی ساری زندگی جس کی حفاظت کرتا ہے، سجاتا ہے، سنوارتا ہے، نہ چاہنے کے باوجود ایک روز سب چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

توجہ کا مرکز مادی وجود ہے۔ مادی وجود لباس ہے اور لباس کی خصوصیت تبدیل ہونا ہے۔ لباس کو اصل سمجھ لینے سے زندگی اضمحلال اور اضطراب کی تصویر بن جاتی ہے۔ لباس جس نے پہنا ہے اس سے (روح) واقف ہوتا کہ سچی خوشی حاصل ہو۔

ایسے لوگوں کو موت کا خوف ہوتا ہے نہ زندگی کے نشیب و فراز متاثر کرتے ہیں۔ وہ جان لیتے ہیں کہ موت لباس کی تبدیلی کا نام ہے۔

یہ کہہ کر فقیر رخصت ہوا۔

آپ کے خیال میں شارک مچھلی ایک سال میں کتنے آدمیوں کا شکار کرتی ہے—؟

ایک ہزار—دس ہزار یا دس لاکھ—؟ گزشتہ سالوں میں شارک کے حملہ سے اموات کا تناسب تین سے آٹھ افراد رہا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کتنی شارک مچھلیاں آدمیوں کا شکار بنتی ہیں—؟ جان کر حیرانی ہوگی کہ ہر سال تقریباً 70 ہزار شارک مچھلیاں آدمیوں کا لقمۂ اجل بنتی ہیں۔ شارک کا شکار صرف fins یعنی مچھلی کے پنکھ کے لئے کیا جاتا ہے جس سے شارک فن سوپ بنایا جاتا ہے۔ ایسے ممالک بھی ہیں جہاں شادی بیاہ کی تقریبات میں مالی حیثیت کی نمائش کے لئے شارک کے فن کا سوپ کھانے میں شامل ہوتا ہے۔ شارک کو مارنے کی وجوہات میں زیورات بنانا، سوینئیر یا پھر تیراکوں کی حفاظت ہے۔

مارنے کا طریقہ اذیت ناک ہے۔ زندہ حالت میں شارک کے پنکھ کو جسم سے علیحدہ کیا جاتا ہے اس کے بعد سمندر میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

پنکھ تیرنے میں مدد دیتے ہیں۔ تیرنے سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے، آکسیجن میں اضافہ ہوتا ہے اور سانس لینے میں مدد ملتی ہے۔ فن کی عدم موجودگی میں شارک کچھ دنوں بعد مرجاتی ہے یا دوسری مچھلیوں کی خوراک بن جاتی ہے۔

ARE YOU DEPRIVED
OF THE MOST WONDERFUL GIFT
LIFE HAS TO OFFER?
FREE
CONSULTATION
HOPE FOR INFERTILE COUPLES
AUSTRALIAN
CONCEPT
INFERTILITY MEDICAL CENTER
CUTTING EDGE TECHNOLOGY
IVF / GIFT / PROST / TESE / PGD
Embryo Cryopreservation
Assisted Hatching
Intra Cytoplasmic Spermic Injection (ICSI)
Frozen Embryo Programme
Ovulation Monitoring
Hormone Evaluation
Semen Evaluation
Infertility Counseling
Washed Sperm Evaluation
Sperm banking for pre-vasectomy, chemotherapy or radiotherapy patients
CHILD
IS A BLESSING
ATTENTION
INFERTILE COUPLES
PGD
FAMILY BALANCING
Please contact for Free Consultancy with ACIMC Specialist
HEAD OFFICE:
32-A, BLOCK-5, ROJHAN STREET, KEHKASHAN, CLIFTON, NEAR BILAWAL CHOWRANGI, BEHIND BAR.B.Q. TONIGHT, KARACHI
TEL : +92-21-35862353, 35862367, 35371452-53
E-mail: concept@cyber.net.pk Web: www.acimc.org
australianconcept
For Appointment Contact:
0321-8266469
Hyderabad: 022-2780375-76 | Larkana: 074-4164963, 4040045 | Multan: 061-4573227 | Lahore: 042-35853674-75 |
Islamabad: 051-2818058, 8540227 | Faisalabad: 041-8540226, 8540227 | Quetta: 081-2868475

KASHAN ENTERPRISE

ENGINEER,CONSULTANT & ELECTRICAL CONTRACTOR

SERVICES:

• LT Sub Station • Power Distribution • Lighting System • Lightning Protection system • Earthing System • Local and Imported UPS • Solar panels • Fire alarm and Gas Detection System • CCTV and Security System • PABX and Telephone system • Public Addressable System • Maintenance packages • LED lighting • Prepaid Electricity Meters • Data Networking system and I.T solutions.

The service list is a selection of work that we carry out but it is not exhaustive. If the required work is not listed, you may contact us, we would be pleased to give you a quote.

Add: B-40, Sector 4-C, Surjani Town, Karachi, Pakistan.
Kashan Ali: 0321-2154178
Info@Kashan-Enterprise.Net WWW.KASHAN-ENTERPRISE.NET

ڈاکٹر سعیدہ شفیق

راز کی بات

''صوفی کی نفسیات میں بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے۔ یہ معصومیت اس تخلیقی حیرت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو مظاہر میں حقیقت کی تجلی دکھاتی ہے اور حکمت تک پہنچاتی ہے۔ انفس و آفاق کی کائنات اس کے لئے حسن کا آئینہ خانہ ہے جس میں حق جلوہ گر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کو کائنات کے ہر ذرہ سے محبت ہوتی ہے۔''

عظیم صوفی شاعر سچل سرمستؒ سندھ کی سرزمین پر 1739ء سے 1827ء تک مادی لباس میں موجود رہے۔ اس وقت اس سرزمین پر علم و دانش، فکر اور فن کے حوالہ سے بڑے بڑے مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ کام کر رہے تھے۔ سندھ میں سچل سرمستؒ سے کچھ عرصہ قبل شاعری، فن اور فلسفہ کے میدان میں مخدوم نوحؒ، شاہ کریمؒ، شاہ لطف اللہ قادریؒ، میوں شاہ عنایت رضویؒ اور شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ جیسے نام تاریخ میں موجود ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب سندھی سماج کی تہذیب ارتقائی مراحل میں تھی۔

حضرت سچل سرمستؒ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے سندھ کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں دو ایسے واقعات پیش آئے جن کو ہم سچلؒ کی زندگی کا سیاسی پس منظر کہہ سکتے ہیں۔ بکھر میں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے ایک بزرگ مخدوم عبدالرحمٰنؒ کو ان کے دوسرے ساتھیوں سمیت مسجد میں قتل کر دیا اور دوسرا واقعہ ٹھٹھہ میں شاہ عنایت شہیدؒ کے ساتھ پیش آیا۔

جس سال سچل سرمستؒ پیدا ہوئے، نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کر دیا۔ رہی سہی کسر 1761ء میں احمد شاہ ابدالی نے پوری کر دی — یہ اقدار کی بے حرمتی کا زمانہ تھا۔ ایسے میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمستؒ نے اپنی فکر سے معاشرہ میں رنگ و نسل، ذات پات کی تفریق اور منافرت ختم کرنے کے لئے جدوجہد کی۔

سچل سرمستؒ کا اصل نام عبدالوہاب ہے۔ بچپن میں والد کی شفقت سے محروم ہوگئے۔ چچا عبدالحقؒ نے پرورش کی۔ میاں عبدالحقؒ ان کے پہلے روحانی راہ بر ہیں۔

چچا نے پورا خیال رکھا کہ بھتیجے کو اس زمانہ کے علم و ادب کی زبانیں — عربی اور فارسی کی بہترین تعلیم ملے۔ سچل سرمستؒ نے اردو، سندھی اور سرائیکی زبانوں

میں بھی شاعری کی۔ گوکہ عربی زبان میں باضابطہ شاعری نہیں کی لیکن اس زبان کے رموز سے واقف تھے۔ حضرت فرید الدین عطارؒ کے کلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ پاک وجود کا لقب دے کر ان کی بہت زیادہ تعریف کی۔

حضرت فرید الدین عطارؒ کی معروف تصنیف ''منطق الطیر'' نصیحت آموز شاعری ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ہزاروں پرندے کوہ قاف پر سیمرغ کی تلاش میں جاتے ہیں اور دشوار کٹھن راستوں سے گزر کر سخت تکالیف کے بعد ہزاروں میں سے تیس پرندے وہاں پہنچتے ہیں تو حقیقت سے واقف ہوجاتے ہیں ۔ مشکلات دراصل سالک کی ترقی کی منزلیں ہیں۔ سچلؒ نے اس خیال کو اپنی شاعری میں شامل کیا۔

بتایا کہ سسی پنوں کی تلاش میں اکیلے نکلتی ہے، راستہ کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ منزل پر پہنچ کر اپنے وجود کا جائزہ لیتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس پنوں کی تلاش میں وہ ماری ماری پھر رہی ہے وہ تو اس کے اندر موجود ہے۔

پنوں پنوں کرتی میں تو آپ ہی پنوں ہوگئی رے
سکھیو میں انجان رہی جو خود کو ڈھونڈ نہ پائی رے
کھوج لگایا اپنا، تھا پنوں ساری اور
ہر ہر سمت میں پنوں ہے، کون سی سمت اب اور
ڈوبی اپنے آپ میں، تو میں ہی پنوں تھی
اندر سے آوازیں آئیں ، میں ان کو تھی جانتی
بیچ سے غیر گمان گیا، آواز کو جب سمجھی

سچل کا مطلب ''سچ'' ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ نے نام کی طرح سچائی کی روشنی پھیلائی۔ ''ہمہ اوست'' ان کا نعرہ تھا۔ وہ کسی بھی قسم کی تفریق کے خلاف تھے اور یقین تھا کہ سچائی صرف ایک ہے۔ تفریق محض اختلافات ہیں اور کچھ نہیں۔ ان کے نزدیک سب لوگ برابر ہیں۔ وہ غیر طبقاتی سماج کے حامی ہیں۔

حکمران کو اپنے در سے لوٹانا یا ملنے سے انکار کرنا غیر معمولی بات ہے لیکن حضرت سچلؒ امرا و روٴسا سے متاثر نہیں ہوئے۔ نواب شمس کی نوازشات واپس لوٹا دیں۔ کچھ عرصہ کے بعد نواب شمس نے ان کی شاگردی اختیار کی اور اپنا نام ''نانک یوسف'' رکھا۔ سچلؒ کی صاف گوئی کی وجہ سے حضرت شاہ عبداللطیفؒ نے بچپن میں ان کے چچا عبدالحقؒ سے ملاقات میں فرمایا کہ

''ہم نے جو دیگ چڑھائی ہے اس کا ڈھکن یہ لڑکا کھولے گا۔''

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی شاعری میں جمال ہے تو سچل سرمستؒ کی شاعری میں جلال ہے۔ وہ اپنے دور کے بے مثال شاعر ہیں۔ تصوف کے رموز کو اپنے کلام میں پیش کیا۔

عشق دکھائے حال جنہیں ہجر کرے بے حال انہیں
انہوں نے سودا سر کا کیا، مڑنا ہوا محال انہیں
دونوں جگ ہی چھوڑ دیئے، تیرا خاص خیال انہیں
جو سب کچھ ہی چھوڑ گئے، پریم نے کیا نہال انہیں

جن کو شوقِ وصال ہوا، جیون ہے جنجال انہیں
سچلؒ سائیںؒ ملا جنہیں، کر گیا صاحبِ حال انہیں

حضرت سچل سرمستؒ کا کہنا ہے کہ کائنات بحر عدم میں گم تھی۔ ذاتِ الٰہی نے اپنی صفات کو ظاہر کرنا چاہا تو ''کن'' سے کائنات وجود میں آ گئی۔ کثرت کا طلسم توڑ کر اور دوئی کا قلعہ مسمار کرنے کے بعد وحدت کی وادی میں داخل ہوتے ہیں۔

سچلؒ نے راز جانا تو فرمایا، ترجمہ:

ان نینوں سے ہم کو کیسا گھائل کر گیا یار
دیکھ کے میں حیران ہی رہ گئی آنکھوں کے اسرار
یہ منصور کو لے بیٹھیں، یہ خونیں مست خمار
دیکھا جگ میں عاشق کی ہے کیا طرزِ اظہار
کیا کیا دانا ہوئے دوانے، چشم کی ہے چمکار
خون کریں کیا کیا، رخ پر بکھری زلفیں خمدار
بال گھٹائیں شاہ کالی، تاریک ہوئے چودھار
سچلؔ چاند کا منہ دیکھا، مرے ہو گئے جی ہزار

پروفیسر کرار حسین لکھتے ہیں کہ ''صوفی کی نفسیات میں بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے۔ یہ معصومیت اس تخلیقی حیرت کا سرچشمہ ہے جو انسان کو مظاہر میں حقیقت کی تجلی دکھاتی ہے اور حکمت تک پہنچاتی ہے۔ انفس و آفاق کی کائنات اس کے لئے حسن کا آئینہ خانہ ہے جس میں حق جلوہ گر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کو کائنات کے ہر ذرہ سے محبت ہوتی ہے۔''

حضرت سچل سرمستؒ فرماتے ہیں:

نین نہ بھولیں اس کا نظارہ، واہ ہادی کی نگاہ
مرشد نے یہی راز بتایا، یہی دکھائی راہ
جو بھی جگ میں کیا ہے اس پر ہو گی آہ یا واہ
بن اللہ کوئی نظر نہ آیا، جس کو کہیں آگاہ
آنکھیں سب کچھ جان گئی ہیں، مت ہونا گم راہ
راز کی بات بتا دی سچلؔ، مرشد تھا ہمراہ

تصوف — اللہ اور مخلوق کے درمیان دوستی اور حسن شناسی کا مرکز ہے۔ اللہ سے تعلق جوڑنے کے لئے صوفی ہر شے کو ثانوی حیثیت دیتا ہے۔ ایسے قلندر صفت شخص کو اللہ کا قرب عطا ہوتا ہے۔ وہ بے غرض ہو کر اللہ کا قرب مانگتا ہے۔ ترجمہ:

دلبر کے در پر میں تو دیوانہ ہو رہا ہوں
یارو میں دو جہاں سے بیگانہ ہو رہا ہوں
یہ عقل و فہم اس کے دیدار نے اڑایا
زلفوں کے پیچ و خم میں مستانہ ہو رہا ہوں
محبوب آج سر پر چیرا ہے باندھ آیا
اس شمع حسن کا میں پروانہ ہو رہا ہوں
آئے گا جوں وہ دلبر، تیروں کی ہو گی بارش
سینہ سپر ہے سچلؔ نِشانہ ہو رہا ہوں

سچلؒ سندھی میں شاعری کی وجہ سے زیادہ مشہور ہیں۔
اردو زبان میں بھی ان کا کلام اعلیٰ پائے کا ہے ۔
تشبیہات اور تمثیلوں کے ذریعہ نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔
سچلؒ کا اردو کلام غزل کی صنف میں ہے اور غزل کی فنی
خصوصیات کے مطابق ہے۔

بلبل کو برہا پہنچا، آئی ہے رت بہاراں
فریاد وصل اس کی ہے مثل بے قراراں
میں نے یہ اس سے پوچھا، عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت، روتا ہے زار زاراں
منقار ہے گلوں پر پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر، حاصل ہے گل ہزاراں
بلبل نے یہ بتایا، اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے میرے لئے نگاراں
آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سچلؔ میں چھوڑوں نہیں پکاراں

ڈاکٹر عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں کہ
”فن اور ہیئت کے لحاظ سے سچلؒ کی کافی کے
بیس سے زائد نمونے ملے ہیں۔ان کے رسالہ
میں بیت کے کئی نمونے ملتے ہیں۔“

حضرت سچل سرمستؒ کا کلام زندگی کا ترجمان، تفسیر اور تعبیر ہے۔حق کی آواز ہے اور عرفان کا اظہار بھی۔ انسانی شرف و شان کا اقرار ہے ۔ زندگی کا مقصد عشقِ الٰہی ہے۔ترجمہ:

بغیر عشق کوئی دوسرا کمال نہیں
نہیں جو عشق تو اے دوست تیرا حال نہیں
دھواں سجن کی گلی میں رما کے رہتے ہیں
بس اک مقام پہ دل کو لگا کے رہتے ہیں
انہیں کے عشق کا لیکن تمہیں خیال نہیں
اجڑ گئے ہیں وہ دردِ فراق میں تیرے
انہوں نے سر پر اٹھائے ہیں درد کے ڈیرے
بغیر درد، محبت کا کوئی مال نہیں
ترے خیال کی راہوں میں وہ بہت روئے
ترے فراق میں وہ ایک پل نہیں سوئے
کہ ان غریبوں کو حاصل کہیں وصال نہیں
تمہارے ہاتھوں ہوا قتل جو بھی اہلِ وفا
وہی تو مرد بنا منزل محبت کا
قسم تمہاری کہ اس پر کوئی وبال نہیں
اسے تو جس نے بھی دیکھا، ہوا ہے دیوانہ
رہے نہ ہوش و خرد ، ہوگیا وہ مستانہ
کہ تیرے حسن کی جگ میں کوئی مثال نہیں
کبھی تو مہر کر اور میرے گھر میں آ سائیں!
سچلؔ غریب کو دل سے نہ تو بھلا سائیں!
اسے جدائی سے بڑھ کر کوئی زوال نہیں

قوس قزح کے رنگ

ماہرین کے مطابق آدمی کی آنکھ کی انتہا بنفشی شعاعوں تک محدود ہے جب کہ کیڑا بالائے بنفشی اشیا کے خدوخال واضح اور صاف وشفاف دیکھتا ہے۔

کم وبیش ہر شخص انواع واقسام کے ہجوم میں گھرا ہوا ہے۔ ہر شے کسی نہ کسی طرز میں احساسات مرتب کرتی ہے۔ تربیت جس رنگ میں ہو، دل چسپی کا رخ کچھ بھی ہو — بلاتفریق مذہب وملت ہر شخص چاند، ستاروں، سورج، ہوا، پانی، مٹی اور درختوں سے واقف ہے۔ نظامِ قدرت کے تحت فرد میں یہ جاننے کی خواہش ضرور پیدا ہوتی ہے کہ چاند پر کیا ہے — سورج اس قدر نزدیک کیوں محسوس ہوتا ہے — ہوا کے اندر کیا ہے —؟

سوالات ایک اور حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ موجودات اور ہمارے مابین مخفی رشتہ کس طرح سے ہے اور کیا ہے۔ ایسا رشتہ جو ہر لمحہ کسی نہ کسی شے کی جانب توجہ سے بیدار ہوتا ہے۔ تجسس ایسی صفت ہے جو کائنات پر محیط ہے۔ یہ ماحول کو جاننے، پہچاننے اور تصرف کی طرزوں کو بیدار کرتی ہے۔

تفکر کی لہروں نے نسل در نسل نوعِ آدم کی سوچ پر دباؤ ڈالا اور ماحول کی جانب متوجہ کیا — شے چھوٹی ہو یا بڑی، اس کا احساس، حواس خمسہ کی محدودیت کی طرف واضح اشارہ تھا۔ کوتاہ نظری میں مشاہدہ میں وسعت کا حل مادیت کے رنگ میں تلاش کیا گیا۔ اس طرح چھوٹے اجسام کی ماہیت اور لا متناہی خلاؤں کی وسعتوں کو تلاش کرنے کے لئے کروی آئینوں، شیشوں اور عدسوں کا استعمال شروع ہوگیا۔

محققین نے جہاں عدسہ و آئینہ کے ملاپ سے ایٹم کے اندر ذرات تلاش کرنا شروع کیے — وہاں جگ مگ کرتے فلکی اجرام اور ٹمٹماتے تاروں کو مزید وضاحت سے دیکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

دیکھنے کا اصول یہ بنا کہ روشنی (جس کا ماخذ سورج، بلب، ٹیوب لائٹ وغیرہ ہوسکتا ہے) اجسام سے ٹکرا کر بکھرتی ہے۔ بکھری ہوئی کرنیں آنکھ میں داخل ہوتی ہیں اور رنگ بناتی ہیں۔ اس طرح شے کے خدوخال اور رنگت کا تعین ہوتا ہے۔ بصری عمل کے لئے شکل نمبر 3 دیکھئے۔ روشنی کی نوعیت بدل دی جائے تو مشہود ایک ہونے

شکل نمبر 3

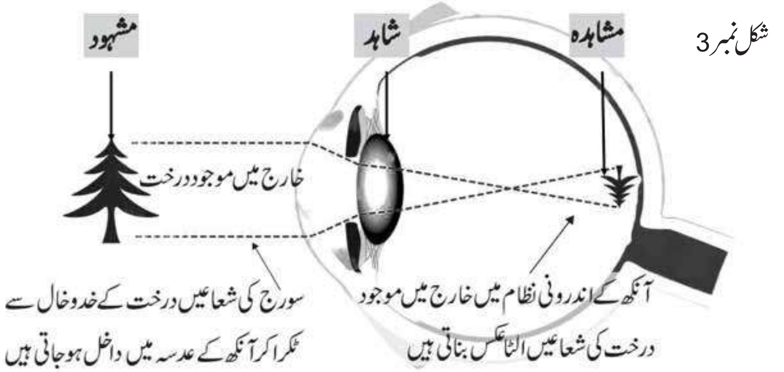

کے باوجود مشاہدہ بدل جاتا ہے۔ یعنی شے ایک ہونے کے باوجود دیکھنے والے کو استعداد کے مطابق الگ نظر آتی ہے۔ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مشاہداتی خدوخال دراصل روشنی کی خصوصیات ہیں۔ اگر روشنی میڈیم نہ بنے تو آنکھ کے لئے شے وجود نہیں رکھتی۔ اگر روشنی مادی آنکھ کی مطلوبہ مقدار و معیار کے مطابق نہیں ہے تو روشنی میں موجود اطلاعات آنکھ کے لئے بے معنی ہیں جیسے ننھے ننھے ایٹم اور جراثیموں کا وجود وغیرہ۔

ہبل دوربین کی بابت بصری عمل کی وضاحت کے حوالہ سے بیش تر قارئین کے ذہن میں یہ سوال ہوگا کہ خواب میں درخت دیکھا جائے تو درخت کو منور کرنے والی روشنی کہاں سے آرہی ہے؟

اپنی رائے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو بھیجئے۔

اسلام آباد سے جناب مرسلین احمد نے گزشتہ اقساط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لاعلمی کے سبب، علمِ شے سے متعلق فی زمانہ ہماری آگہی ادھوری ہے۔ یعنی مادی حواس کا انحصار جس حساسیت پر قائم ہے، اس حساسیت کی لاعلمی کا سبب محدودیت ہے— مگر اسے محدودیت نہیں کہا جاسکتا۔ جیسے ہر مشین کی فعالیت کا دائرہ کار یا Specifications ہوتی ہیں اسی طرح بحیثیت مشین عضلاتی نظام کی فعالیت کا بھی دائرہ کار ہے۔ پھر موصول ہونے والے علم میں شک کیوں کیا جائے؟

مرسلین احمد صاحب! عرض یہ ہے کہ باطنی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ روحانیت میں حقائق سے واقف ہونا آگہی ہے۔ بالفاظِ دیگر، ہر مظاہرہ کے پیچھے کارفرما حقیقی عناصر، ان کے مابین تعلق اور تعامل کے مظاہرہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ آگہی کا مطلب ہے کہ شے کے متعلق علم یا حقیقتِ ثابتہ سے کتنا پردہ اٹھا۔

کم و بیش سائنسی تحقیق و جستجو بھی ان اصولوں پر ہے۔ یعنی پہلے مظاہرہ کی تفصیلی منصوبہ بندی، عناصر کے تعلق کا تفصیلی مظاہرہ، محاصل میں قوانین کی نشان دہی اور قوانین کے اطلاق کے دیگر مظاہرات۔

یاد رہے کہ مظاہرات چاہے کسی بھی نوعیت کے ہوں— مرغی کا دانہ چگنا، پانی کا بخارات بننا، بیج کے جنین کا زمین کی کوکھ سے نکلنا، سورج سے پودوں کا مستفید ہونا یا قوس قزح کے رنگ وغیرہ — مشاہدات میں کوئی نہ کوئی ایجنسی فعال ہوتی ہے۔ روحانی علوم میں مشاہدات میں جو ایجنسی کارفرما ہے وہ ''روح'' ہے۔

محققین مشاہدات میں جس ایجنسی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں وہ پانچ بنیادی حواس (حواسِ خمسہ) یا ان کی توسیعی ایجنسیاں (Extended Senses) ہیں۔ جیسے تھرمامیٹر، دوربین، سمعی آلات یا دیگر بصری آلات۔

غور طلب ہے کہ ہر دو صورت میں ایک شے کی الگ الگ تفصیل ہے۔ ایسے میں حقیقت تک رسائی کیسے ممکن ہے یا مشاہدہ کی اصل کو پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے—؟

محققین کہتے ہیں کہ چاہے جیسے بھی حالات یا ادوار ہوں، مشاہدہ میں کارفرما قوانین میں یکسانیت ہے۔ اس کسوٹی کا زمین کی گردش سے متعلق ماہرین کی رائے پر اطلاق کرتے ہیں۔ یہ سوال کہ زمین ساکن ہے یا گردش میں؟ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جیسے ان گنت سوالات کے سائنسی جوابات، مشاہدات اور وضع کردہ قوانین میں مسلسل تبدیلی آتی رہی ہے۔ مختلف ادوار میں محققین کے بیانات مختلف رہے ہیں جو آج بھی کتب میں موجود ہیں اور اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

سوچنا یہ ہے کہ مشاہدہ ایک ہے تو اختلاف کہاں ہے؟

سائنس کا چار نکاتی تحقیقی طریقہ استعمال کریں تو دوسرے درجہ میں جواب مل جاتا ہے— مشاہدات کے حصول میں کون سی ایجنسی استعمال ہو رہی ہے؟

۱۔ ایک طریقہ میں استعمال ہونے والی ایجنسی ''روح'' ہے۔ لاشعوری ماہرین کے مطابق اس ایجنسی کی صلاحیتوں کے اظہار میں ابتدائے زمانہ سے نہ تو کوئی تعطل واقع ہوا ہے اور نہ اس کے فارمولوں میں تبدیلی ہوئی۔ یہ ایسی ایجنسی ہے جو ازل سے موجودات میں فعال ہے۔ اگر فعال نہ ہو تو زندگی کے آثار ختم ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اس طریقہ میں استعمال ہونے والی ایجنسی ''حواس خمسہ'' ہے۔ یہ وہ ایجنسی ہے جو شے میں معنی پہنانے کے لئے مسلسل ارتقا یا تغیر سے گزر رہی ہے۔

تغیر سے مظاہرات کے مشاہدات میں تغیر ہوتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر علم شے میں تغیر ہے تو ایسا علم ناقص ہے۔ جیسا کہ مرسلین صاحب نے ابتدا میں نکتہ اٹھایا کہ مشاہدات میں حواس خمسہ یا ان کی توسیعی ایجنسیاں شامل ہیں۔ مادیت کا دورانیہ یا عمر محدود ہوتی ہے، وہ ہر لمحہ شکست و ریخت کا شکار رہتی ہے۔ جب کہ مادی نظام کے پس منظر ایجنسی اپنی فعالیت میں لامحدود Specifications یا صلاحیتوں کی حامل ہے۔ بالفاظِ دیگر محدود ایجنسی سے حاصل ہونے والا علم محدود، غیر یقینی اور عارضی ہے— لامحدود ایجنسی سے حاصل

شکل نمبر 4

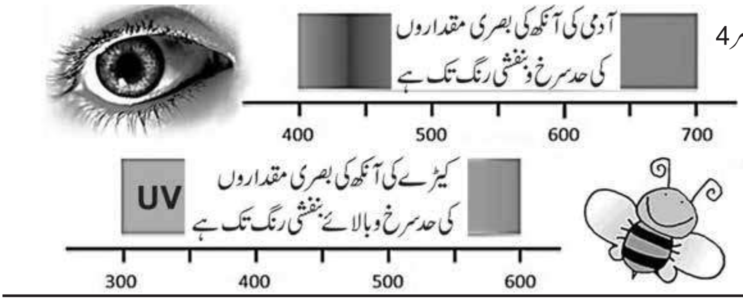

ہونے والا علم لامحدود، یقینی، یکساں اور مستقل ہے۔

فی الواقع آدمی کے حواس اپنے مادی خواص میں ہی فعال ہیں۔ اس رینج یا دائرہ کار سے باہر ہمیں موجودہ سائنس کی دانش میں کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔

شکل نمبر 4 میں ایک آدمی اور کیڑے کی آنکھ کی Specifications کے مابین تقابل دکھایا گیا ہے۔ ماہرین کے مطابق آدمی کی آنکھ کی انتہا بنفشی شعاعوں تک محدود ہے جب کہ کیڑا بالائے بنفشی اشیا کے خدوخال واضح اور صاف وشفاف دیکھتا ہے۔

انتہائی چھوٹے اجسام مثلاً جراثیم اور جینیاتی نظام کے مشاہدہ کے لئے آدمی کی آنکھ تک پہنچنے والی روشنی ناکافی تھی۔ اسی طرح دور دراز اجسام کے وجود میں معنی پہنانے سے آنکھ قاصر تھی۔ مگر علم اور شواہد — شے کی موجودگی کا اشارہ دے رہے تھے۔ خوردبین سے روشنی کی بکھری ہوئی مقدار (کوانٹیٹی) کو اکٹھا کیا گیا۔ ضرورت کے مطابق مقداروں کے اجتماع نے آنکھ تک پہنچنے والی روشنی کی کوالٹی بڑھادی اور شے کا مادی وجود ظاہر ہوگیا۔

یہاں دو نکات کی طرف اشارہ قابل ذکر ہے۔

۱۔ قریب نظری کے لئے خوردبین ہو یا بعید نظری کے لئے دوربین — آئینہ اور عدسوں پر مرتب آلہ (انسانی آنکھ جیسی ایک ذیلی بصری ساخت) استعمال کیا گیا۔

۲۔ بصری عمل مکمل طور پر مادیت کے دائرہ میں بند ہے۔ مشہود جرثومہ ہو یا کوئی ٹمٹماتا ستارہ — دونوں کا حاصل مادی مشاہدہ ہے۔

علاوہ ازیں خوردبینی و دوربینی نظام بھی مادی ہیں جب کہ بصری نظام، ماہیت میں مادی صلاحیتوں یا Specifications کے دائرہ میں ہے۔

غور کریں تو مرئی روشنیاں جو آنکھ تک پہنچتی ہیں وہ بھی مادی ہیں ورنہ کمرے میں روشن بلب یا فضا میں سورج کی روشنی دیوار کو پار کر کے دوسری طرف نمودار ہوجاتی۔

مادہ کو دیکھنے کے لئے مادہ (روشنی) کی مقدار (کوانٹیٹی) اس حد تک کم کی گئی کہ مادہ (روشنی) کی کوالٹی بڑھ گئی۔ کوالٹی کی لطافت نے آنکھ کی مطلوبہ حساسیت کے مطابق شبیہ فراہم کردی۔

افتخار احمد

سیکنڈ اور منٹ ــــ وقت ؟

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

عمر کا شمار ماہ و سال سے ہوسکتا ہے یا کیا جاتا ہے۔

ایک سال، دو سال، تین سال اور سال میں ایک دن ایک رات ــــ ایک رات ایک دن کو ایک شمار کیا جاتا ہے جب کہ رات ایک اور دن دو ہیں۔ اسی طرح دن دو اور رات ایک ہیں۔ رات الگ ہے اور دن الگ ہے۔ رات میں سے دن ظاہر ہوتا ہے اور دن رات میں چھپ جاتا ہے۔ دن اور رات کے ردو بدل کو عمر کے حساب سے ہم ایک شمار کرتے ہیں جب کہ دن الگ یونٹ ہے اور رات الگ یونٹ ہے ــــ دو کو ایک میں محدود کر دیا گیا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ بچہ کی عمر چار دن اور چار راتیں ہیں ــــ دونوں ایک شمار ہوتے ہیں۔ شماریات کا یہ علم اسی نوے سال پر محیط ہوتا ہے جب کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

بات کو سمجھنے کا شعوری طریقہ کار یہ ہے کہ ٹکڑوں میں سمجھا جائے یا شے کو تقسیم کر کے اکائی معلوم کی جائے۔ شعور نے حد بندی اس طرح کی ہے کہ دن اور رات کو بارہ گھنٹوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایسے مقامات بھی ہیں جہاں دن سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

وقت کا تعلق گھنٹوں سے نہیں ہے لیکن وقت کو سمجھنے کے لئے گھنٹوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور مزید تقسیم کر کے ہر حصہ کے الگ نام رکھ دیے گئے ہیں جیسے سیکنڈ اور منٹ جب کہ سیکنڈ اور منٹ دونوں وقت ہیں۔

وقت سے زندگی کے ماہ و سال کا تعین ہوتا ہے۔

وقت کیا ہے ــــ؟ ہم نہیں جانتے لیکن وقت کو سمجھنے کے لئے ہم نے گھنٹے اور منٹ کی حد بندی کی۔ حد بندی محدودیت ہے۔ محدودیت میں عمر گزرتی ہے تو وسیع و عریض کائنات میں پھیلی ہوئی ہر شے محدود نظر آتی ہے۔ بچپن کا دور چند معین سالوں تک محدود ہو جاتا ہے، اس کے بعد کے سال لڑکپن کہلاتے ہیں۔ لڑکپن کے متعین سال گزرتے ہیں تو جوانی آ جاتی ہے اور جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

تفکر ظاہر کرتا ہے کہ بچپن، جوانی، بڑھاپے کا تعلق ماہ سال سے نہیں ہے کہ اتنے سال گزریں گے تو جوانی

آئے گی اور اگلا مرحلہ بڑھاپا ہے۔ کسی کا بچپن ساری عمر ختم نہیں ہوتا اور کوئی ساری عمر جوان نہیں رہتا۔

ایسے لوگ ہیں جو سو سال یا اس سے زیادہ عمر گزارتے ہیں — ان کی جوانی اور بڑھاپے کا دورانیہ دوسرے لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ تادیر جوان رہتے ہیں اور طویل العمری میں اپنے سے کم عمر لوگوں سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ عمر کے ادوار کا تعلق صحت سے ہے۔ صحت کا انحصار طرزِ زندگی پر ہے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ مفروضہ اور حقیقت میں امتیاز ہے۔ بچپن کا دور گزر کر جوانی آتی ہے تو فرد چاہتا ہے کہ میرا معاشرہ میں مقام ہو۔ خود کو منوانے کے لئے ذہنی اور جسمانی توانائیاں صرف کرتا ہے۔ کام یابیاں ملتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناکامی — کام یابی تک پہنچنے کے متعدد راستوں سے متعارف کراتی ہے۔

اجتماعی صورت حال یہ ہے کہ آدمی کی جدوجہد اور تگ و دو دنیا کے لئے ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ سکون، مسائل کا حل، خوش حالی اور دولت کی فراوانی سے ہے۔ اگر خوش حالی اور مسائل کے حل کا تعلق مال و زر سے ہے تو جن کے پاس فراوانی ہے، سب سے زیادہ سکون ان کے پاس ہونا چاہیے۔

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر دولت مند شخص بے سکون ہو۔ سکون کا تعلق مقصد ہے کہ کس طرز پر زندگی گزاری جارہی ہے۔

فرد تسخیر دنیا کا متمنی ہے۔ سرفہرست لوازمات میں مال واسباب کی فراوانی اور اثر و رسوخ کا ہونا لازمی شمار کیا جاتا ہے۔ دولت کے انبار جمع کرنے والا کام یاب، آسودہ اور خوش حال سمجھا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ واقعی خوش اور مطمئن ہے —؟

بات آگے بڑھانے سے پہلے حیات کو سمجھنا ضروری ہے۔ حیات دراصل زمانی وقفہ ہے۔ لمحات کی یک جائی دن، ہفتہ، ماہ و سال میں تبدیل ہوتی ہے اور زندگی کے لمحات میں کمی، اضافہ — اضافہ اور پھر کمی ہوجاتی ہے۔

زمانی وقفہ کی پیمائش ممکن نہیں۔ البتہ فرد جب چاہے، ماضی کو تصوراتی دنیا میں دیکھنے کے علاوہ، ماضی میں داخل ہوسکتا ہے۔

بچپن جوانی اور بڑھاپا، زندگی کے تین ادوار ہیں۔ پہلا دور کم زوری دوسرا قوت و توانائی سے بھرپور اور تیسرا دور انحطاط اور کم زوری ہے۔ بالآخر مادی وجود غائب ہوجاتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس کے بعد نیا دور شروع ہوتا ہے — زندگی ختم نہیں ہوتی۔

زندگی سے متعلق سائنس دانوں کی آرا مختلف ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ نظریات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تبدیلی بتاتی ہے کہ جس علم کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ محدود اور ناقابل تفہیم ہے۔ حیات کی ابتدا اور انتہا سے متعلق سوالات پر ہر باشعور غور کرتا ہے۔ جوابات مادی علم کی بنیاد پر اخذ کیے

جاتے ہیں اور مادی علوم محدود ہیں۔

ہر شعبے میں نت نئی ایجادات نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ جو باتیں انہونی تصور کی جاتی رہیں وہ ممکن ہوگئی ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ موجودہ دور ترقی یافتہ ہے— ماضی میں اس سے زیادہ عجائبات سامنے آچکے ہیں جن کے میکانزم سے واقف ہونے میں سائنس مصروف ہے۔

تن آسانیوں کے لئے بہت سی ایجادات سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایجادات کے بعد زندگی سے متعلق سوالات کا جواب یقین اور اعتماد سے دیا جاتا اور فرد مطمئن اور پرسکون ہوتا لیکن صورتِ حال برعکس ہے۔ مایوسی، عدم تحفظ، خوف اور انجانے خطرات سے متعلق وسوسوں نے ذہن کو منتشر کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زندگی کو جن طرزوں میں دیکھا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں۔ بنیاد کمزور ہو تو عمارت کیوں کر مضبوط ہوسکتی ہے—؟

ایک شخص اگر مال دار نہ بھی ہو لیکن تمام ضرورتیں اچھی طرح پوری ہوجاتی ہیں اس طرح کہ بچے اچھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، معاشی ذمہ داریوں میں رکاوٹ نہیں آتی، اخراجات پورے ہوجاتے ہیں لیکن سکون اس کے پاس ہے— نہ وہ شخص مطمئن ہے جس کے پاس آسائشیں ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ دونوں سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ کیا آسائشیں مال و دولت، نام، مرتبہ، شہرت— زندگی کا حاصل ہیں؟

ایک شخص نے زندگی مال و دولت اور شہرت حاصل کرنے میں خرچ کردی پھر موت نے آلیا اور قصہ تمام ہوگیا۔ اب مال و دولت بھی ہے شہرت بھی مگر وہ شخص نہیں ہے!

اس طرح کسی نے زندگی قناعت میں گزار دی۔ بہت کچھ نہ ہونے کے باوجود کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کہ خوشیوں کا تعلق وسائل کی فراوانی سے نہیں، شکر ادا کرنے سے ہے۔ حقیقت پر غور و فکر کرکے وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ زندگی کا قیام، ابتدا اور زندگی کی انتہا پر بندہ کا اختیار نہیں ہے— ماوراہستی کی حکم رانی عالمین پر محیط ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ماوراہستی نے عالمین کو تخلیق کیا ہے اور مجھے اس لئے ظاہر فرمایا کہ میں خالق کو پہچان کر، ربوبیت تسلیم کرکے اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں۔ یہی سوچ اور ایمان، مقصدِ حیات ہے۔

معاشرہ میں خوش حالی کا تصور روپے پیسے کی فراوانی اور مال و اسباب کی کثرت ہے گویا زندگی کا مقصد دولت کا حصول بن گیا ہے۔ دولت بری نہیں ہے— دولت سے محبت اچھی نہیں ہے۔ خوش حال وہ ہے جو ہر حال میں خوش ہے۔ خوش رہنا اس وقت ممکن ہے جب بندہ کا اللہ سے ربط قائم ہوجائے اور وہ اپنے اندر اللہ کے امر سے واقف ہوجائے۔

من کی دنیا! من کی دنیا،
سوزو مستی جذب و شوق
تن کی دنیا !تن کی دنیا
سودو سودا، مکرو فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے
تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے،
آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا
میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے
میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی
مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے
نہ من تیرا نہ تن

من کی دولت بیش بہا خزانہ ہے ۔اندر کی دنیا سے واقف ہوجائیں تو سکون اور سچی خوشی کے چشمے ابلتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے مل کر خوشی اور اطمینان محسوس ہوتا ہے۔موت آتی ہے،انہیں لے جاتی ہےمگر ان کا جانا خوشی سے ہے،مجبوری سےنہیں۔

واضح ہوتا ہے کہ ہر شخص مقصد کےتحت زندگی گزارتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مقصد کی سمت کیا ہے۔

سمت کی درستی اطمینان اور خوشی کا باعث ہے۔سمت کی کجی اور خرابی سے خوف، پریشانی، اضمحلال اور غم زندگی بن جاتے ہیں۔ارشاد ہے:

''اور جب پہنچے میری جانب سے تم کو ہدایت تو جو چلا ہدایت کی راہ پر ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے اور جب لوگوں نے میری آیات کو جھٹلایا اور نہ مانا، وہ اصحاب دوزخ ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

(البقرۃ:۳۸-۳۹)

آیت میں دو مخالف سمتوں سے آگاہی ہے اور خبردار کیا گیا ہے کہ درست سمت اختیار کرنا کام یابی اور کامرانی ہے۔قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق موت زندگی کا اختتام نہیں ہے —نئی زندگی کی شروعات ہے۔انحصار وہ اعمال ہیں جو نیت کی خرابی یا درستی سے مشروط ہیں۔

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔(صحیح مسلم)

گویا نیت،سمت ہےاور سمتیں دو ہیں۔ایک اللہ تعالیٰ تک لے کے جاتی ہے اور دوسری سمت میں ذہن اللہ سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتا—اگرچہ اللہ ہر جگہ محیط ہے۔بندہ ذکرِ الٰہی کو زندگی کا مقصد بنالیتا ہے تو ہر قدم اور ہر راستہ اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کی حیات مشعلِ راہ ہے۔ اس کے برعکس طرز فکر وہ ہے جو عارضی دنیا کی گرویدہ

ہے جس میں جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔لیکن درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کہ مصداق اضطراب اور بے سکونی میں اضافہ ہوتا ہے۔ آسائشوں کا حصول غلط نہیں ہے— آسائشوں کو زندگی سمجھ لینا غلط ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیآ مادی دنیا کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

جس وقت کہ تن جاں سے جدا ٹھہرے گا
دو گز ہی زمین میں تو جا ٹھہرے گا
دو چار ہی روز میں تو ہوگا غائب
آ کر کوئی اور اس جگہ ٹھہرے گا

آدمی محض جسمانی وجود یا گوشت پوست سے بنے ہوئے پتلے کا نام نہیں ہے بلکہ گوشت پوست کے بنے ہوئے لباس کو جس نے متحرک کیا ہوا ہے وہ اصل ہے۔ حقیقت اللہ کا امر ہے جس کا قلیل علم دیا گیا ہے۔اللہ کا قلیل علم بھی اتنا وسیع ہے کہ کسی طرح احاطہ ممکن نہیں۔

مادی دنیا میں مادی لباس (مٹی کا جسم) کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ وقت مقررہ کے بعد انسان مادی لباس کو خیر باد کہہ کر دوسرے عالم میں منتقل ہوتا ہے اور اس عالم کے مطابق لباس اختیار کرتا ہے۔انسان بذاتِ خود کیا ہے، نہایت تفکر طلب ہے اور یہی حقیقت زندگی کی اساس ہے۔زندگی کا سلسلہ اس عالم سے منتقل ہونے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔اصل سے واقف ہو کر ہم مفروضہ اور حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔اگر ہم کامیاب اور کامران ہونا چاہتے ہیں تو زندگی کے مقصد کا تعین کرنا ہوگا جو بجز اس کے کچھ نہیں کہ بندہ کو اپنا عرفان حاصل ہو۔رحمت للعالمینؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچانا۔''

پن چکی کی ایجاد اور اس صنعت کی ترقی افغانستان میں ہوئی۔ بنو موسیٰ (نویں صدی) کی کتاب الحیل میں اس کا ذکر ہے۔مسعودی نے مروج الذھب (947ء) میں لکھا ہے کہ پن چکی کے ذریعے کنوئیں کا پانی باغات کے لئے استعمال ہوتا تھا۔سیستان میں پن چکیاں دسویں صدی میں کثیر تعداد میں زیر استعمال تھیں۔ولیم مور کی کتاب ''دی کیلیفیٹ'' میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں پن چکیاں تھی جو قلعوں کے میناروں پر یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بنائی جاتی تھیں۔ویسٹ انڈیز میں پن چکیاں مصر کے کاریگروں نے لگائی تھیں اور شکر بنانے میں استعمال ہوتی تھیں۔یورپ میں پن چکی کا ذکر 1105ء کے فرانسیسی چارٹر میں ملتا ہے۔

PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.

Manufacturer of
Embroidery Lace & Fabrics

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

حضرت عزیر علیہ السلام

گوشت کئی گھنٹے تک کھلی فضا میں رکھیں تو خراب نہیں ہوگا اور فرج میں رکھا ہوا گوشت ایک گھنٹے سے بھی کم باہر رکھا جائے تو اس میں تعفن آجاتا ہے اور کھانا سڑ جاتا ہے۔

فرد کی حیات و ممات معین مقداروں پر قائم ہے۔ اس سارے نظام پر ایک اللہ حاکم ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کی حاکمیت کے تابع ہے۔ جب اللہ نے چاہا کہ اپنے برگزیدہ بندے حضرت عزیرؑ پر حیات و ممات کے فلسفہ کی حقیقت کو ظاہر کرے تو اللہ کی قدرت نے ان گیسوں کو یک جا کردیا جس کے ذریعے اشیا ٹھنڈی ہوکر خراب نہیں ہوتیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ پہلے ایجاد کرنے کا خیال آتا ہے پھر مسلسل ریسرچ کے بعد ایجاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایجاد خیال آئے بغیر اپنا مظاہرہ کردے۔ سائنس کی کوئی بھی ایجاد ہو پہلے سے عالمِ غیب میں موجود ہے۔

قانون یہ ہے کہ جب کسی ایک نقطہ پر ذہن مرکوز ہوجاتا ہے تو اس نقطہ میں مخفی خدوخال وجود کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں کھانے کو دو طریقوں سے محفوظ کیا جاتا ہے۔

۱۔ کھانے کو فریز کیا جاتا ہے۔

۲۔ اس کو ویکیوم یعنی ہوا کے بغیر پیک کیا جاتا ہے جس سے کھانا گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کھانوں کے سالموں کی حرکت تیز ہوتی ہے جب کہ فریزر میں درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے سالموں کی حرکت کم ہوجاتی ہے۔ مالیکیولز کی حرکت تیز ہونے سے، ہوا سے Contact بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کم درجہ حرارت پر کیمیکل ری ایکشن کم ہوتا ہے۔

اگر کسی بھی طریقہ سے سالموں کی حرکت کم یا بہت کم کردی جائے جیسا کہ فریزر میں فری اون گیس کے ایکشن کی وجہ سے ہوتا ہے تو شے کے مالیکیولز ایک دوسرے میں جذب ہوکر منجمد ہوجائیں گے اور شے میں Foreign Bodies داخل نہیں ہوں گی۔ تصویر کا دوسرا رخ اوپر بکس میں پڑھئے۔

وقت کا تعلق حرکت سے ہے۔ اگر شے کی حرکت

کو اس کی موجودہ حرکت سے سو گنا کم کر دیا جائے تو اس حرکت کی نسبت سے ٹائم گزرنے کی رفتار سو گنا کم ہو جائے گی۔

مثلاً ہم ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لیتے ہیں۔ اگر ایک منٹ میں ایک سانس لیا جائے تو اٹھارہ سانس لینے کے لئے اٹھارہ منٹ درکار ہوں گے۔

لہٰذا ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لینے میں وقت اٹھارہ گنا کم ہو جائے گا۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے ایک سو سال میں اندازاً اتنے سانس لیے جتنے ایک دن میں لیے جاتے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کتنا عرصہ سوئے؟

انہوں نے کہا، ایک دن یا اس سے کم۔

مثال: ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں آدمی چوبیس ہزار نو سو بیس سانسیں لیتا ہے۔ اس حساب سے اس نے سو سال سونے میں تقریباً ایک ارب سانس لیے یعنی ٹائم کی رفتار ایک ارب گنا زیادہ ہوگئی۔

اس طرح کھانے کے مالیکیولز کی حرکت بھی اتنی کم ہوگئی کہ وقت ٹھہر گیا اور کھانا خراب نہیں ہوا۔ رہا گدھے کا معاملہ تو اس کے لئے وقت ایسے ہی گزرا جیسا کہ اور چیزوں کے لئے گزرتا ہے اور وہ سو سال میں مرکھپ کر ہڈیوں کا ڈھانچارہ گیا۔

ہمارے خیال میں Pyramids میں بھی وقت ٹھہر جاتا ہے یا یوں کہیں کہ وہاں بھی مالیکیولز کی حرکت تقریباً صفر ہو جاتی ہے اور ہزاروں سال تک اس میں رکھی ہوئی چیزیں خراب نہیں ہوتیں اور اس کی فضا میں مراقبہ کرنے والے لوگ ٹائم اور اسپیس سے آزاد ہو کر لاشعور سے قریب ہو جاتے ہیں۔

وقت کی رفتار سے متعلق ایک اور مثال یہ ہے کہ ہم ٹی وی میں کرکٹ میچ دیکھتے ہیں۔ فرض کریں بالر جب گیند پھینکتا ہے تو بیٹس مین تک یہ گیند ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ ٹی وی والے جب اس کا ری پلے سلو موشن میں دکھاتے ہیں تو گیند کی حرکت کا دورانیہ پانچ سیکنڈ ہو جاتا ہے یعنی حرکت کم ہونے سے وقت میں اضافہ ہوگیا۔

اسی طرح اگر ری پلے کو فاسٹ موشن کر دیا جائے تو وقت ایک سیکنڈ کے بجائے آدھا سیکنڈ یا اس سے بھی کم ہو جائے گا۔ مختصراً یہ کہ وقت کی اکائی کا تعلق رفتار سے ہے۔

دوسری مثال مائیکروویو اوون کی ہے۔ مائیکرو ویو اوون میں جب فریز کیا ہوا کھانا رکھا جاتا ہے تو کھانے کے مالیکیولز یا سالمے مائیکروویو فریکوئنسی پر حرکت کرتے ہیں۔ یہ حرکت اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ جو کھانا چولھے پر پانچ منٹ میں گرم ہوتا ہے، مائیکروویو اوون میں

ایک منٹ میں گرم ہوجاتا ہے۔

یعنی رفتار تیز ہونے سے پانچ منٹ کا وقفہ ایک منٹ میں تبدیل ہوگیا۔سوال یہ ہے:

۱۔ حضرت عزیر علیہ السلام سوگئے اور سو سال تک سوتے رہے جب کہ اپنے احساس میں وہ ایک دن یا اس سے کچھ کم سوئے۔

۲۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا مرگیا اور اس کے جسم پر وہ تمام تاثرات قائم ہوگئے جو کسی مردہ جسم پر ہوتے ہیں۔

۳۔ناشتے دان میں کھانا سو سال تک محفوظ رہا، نہ وہ سڑا اور نہ وہ گلا۔

یہ تینوں واقعات ایک قطعۂ زمین اور ایک ہی فضا میں پیش آئے۔ یہ سب کس طرح ہوا۔۔۔؟

زندگی کا دارومدار جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے آکسیجن پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گھر میں خاندان کے دس افراد ہیں۔ گھر کا صحن، گھر کا برآمدہ، گھر کی فضا اور Open sky area بھی ایک ہے۔ان دس آدمیوں میں سے ایک آدمی مرجاتا ہے، کیوں مرجاتا ہے۔۔۔؟

بتایا جاتا ہے کہ اس لئے مرجاتا ہے کہ آکسیجن ختم ہوگئی۔ اگر آکسیجن ختم ہوگئی تو باقی نو آدمی کیوں نہیں مرے؟ ایک آدمی کے لئے آکسیجن کے غبارے میں آکسیجن کیوں ختم ہوگئی۔۔۔؟

غبارے سے مراد گھر اور گھر میں صحن وغیرہ ہے۔

زندگی کا دارومدار آکسیجن جلنے پر ہے اور آکسیجن کا جلنا تابع ہے کاربن کے۔ آکسیجن جب ناک یا حلق کی نالیوں کے ذریعے پھیپھڑوں میں جاتی ہے تب پھیپھڑوں کے اندر اسفنجی نظام میں موجود کاربن آکسیجن کو جلاتا ہے اور نتیجہ میں کاربن ڈائی آکسائیڈ زندگی بن جاتی ہے۔یعنی آکسیجن پر زندگی قائم نہیں ہے۔۔۔ آکسیجن زندگی کے لئے ایندھن بن رہی ہے۔

تمام آسمانی کتابوں کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ شعور رکھتا ہے۔شعور سے مراد یہ ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ میں عقل وفہم موجود ہے۔ وہ اپنی زندگی کی حفاظت کرتا ہے اور دوسروں کی زندگی میں جو اس کی ڈیوٹی ہے وہ پوری کرتا ہے۔

یوں سمجھئے کہ انسان ہو یا جانور ہو، درخت ہو، پودا ہو،کوئی ستارہ ہو یا کوئی سیارہ ہو وہ کاربن کا ہی بنا ہوا ہے۔ یعنی زندگی ہزاروں لاکھوں تہوں (پرت) سے بنی ہوئی ہے۔آکسیجن کا کام زندگی کا ایندھن بننا ہے اور کاربن کا کام آکسیجن کو جلانا ہے۔

ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کھانا بغیر فرج اور ڈیپ فریزر کے بھی خراب نہیں ہوتا۔

مثلاً سرد علاقہ آئس لینڈ کی کھلی فضا میں بھی کھانا

خراب نہیں ہوتا۔ کیوں خراب نہیں ہوتا—؟

اس لئے کہ کھانے کے مالیکیولز یا سالموں کی حرکت کم ہوجاتی ہے۔ گرم علاقوں میں فرج اور ڈیپ فریزر حرکت کو کم کرنے کا مصنوعی طریقہ ہے۔

آدمی جب سو جاتا ہے اور 12 گھنٹے تک سوتا رہتا ہے تو بیدار ہونے کے بعد اسے پتہ نہیں ہوتا کہ وہ بارہ گھنٹے تک سویا ہے۔ آدمی Coma میں چلا جاتا ہے، تین سال تک کوما میں پڑا رہتا ہے۔ جب اس کے حواس بحال ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں چند گھنٹے سویا ہوں۔

قانون یہ ہے کہ آدمی شعور اور لاشعور میں ردوبدل ہورہا ہے۔ جب وہ شعور میں ہوتا ہے تو اپنے اوپر زمان و مکان کی گرفت محسوس کرتا ہے اور جب وہ شعور سے نکل کر لاشعور میں ہوتا ہے تو ٹائم اور اسپیس کی گرفت سے آزاد ہوجاتا ہے۔

”تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔“ (آل عمران: ۲۷)

”وہ رات کو دن سے ڈھانک دیتا ہے۔ دن جلد رات کو ڈھونڈ تا ہے۔“ (الاعراف: ۵۴)

”رات کو دن سے ڈھانپتا ہے۔ دھیان کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔“ (الرعد: ۳)

”یہ اس لئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔“ (الحج: ۶۱)

”اللہ رات اور دن کو پھراتا رہتا ہے۔“ (النور: ۴۴)

”اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو منتشر ہونے کا وقت مقرر کیا۔“ (الفرقان: ۴۷)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ دن میں رات اور رات میں دن داخل کرتا ہے۔“

(لقمٰن: ۲۹)

وقت کی رفتار سے متعلق ایک اور مثال یہ ہے کہ ہم ٹی وی میں کرکٹ میچ دیکھتے ہیں۔ فرض کریں بالر جب گیند پھینکتا ہے تو بیٹس مین تک یہ گیند ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ ٹی وی والے جب اس کاری پلے سلوموشن میں دکھاتے ہیں تو گیند کی حرکت کا دورانیہ پانچ سیکنڈ ہوجاتا ہے یعنی حرکت کم ہونے سے وقت میں اضافہ ہوگیا۔ اسی طرح اگر ری پلے کو فاسٹ موشن کر دیا جائے تو وقت ایک سیکنڈ کے بجائے آدھا سیکنڈ یا اس سے بھی کم ہوجائے گا۔ مختصراً یہ کہ وقت کی اکائی کا تعلق رفتار سے ہے۔

کی بیس ہے۔ ایک غلط عمل پورے چھتے کو متاثر کرتا ہے۔ جب کہ تم نے کبھی سوچا نہیں کہ خیال کیا ہے اور زندگی بامقصد کیوں نہیں ہے—؟ شاگرد اسباق پر عمل نہ کرے تو اس کا مطلب وہ کسی اور سبق پر عمل کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی دستور پر تو زندگی گزرتی ہے۔

خیال نے آئینہ دکھایا کہ عمل ہے نہیں لیکن قربت چاہئے۔ کس لئے—؟ تاکہ دنیاوی مسائل حل ہوسکیں!

غیب کی تعمیل کر کے طرزِ عمل تبدیل کیا۔ اب جب ملاقات کے لئے گیا تو ان کے لئے گیا تاکہ مرشد مرید سے اور مرید مرشد سے واقف ہو۔ محبت کی کونپل کھلی— بیج کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا کہ بیج بیعت کے ساتھ ہی بو دیا جاتا ہے۔ مرید کا اخلاص بیج کے لئے پانی ہے۔

ڈائری میں ان دنوں کی یاد لکھتے ہوئے خیال نے ملامت کی کہ یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے دل میں اخلاص ہے، اس لئے قربت ملی—؟

اس نے کہا، نہیں! میں نادان اور کثافتوں میں لتھڑا ہوا ہوں۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں جیسا بھی ہوں، اب صرف محبت کے لئے جاتا ہوں۔ مرشد کے پاس مرشد کے لئے جانا اخلاص ہے۔

ایک مرتبہ ملاقات میں بہت تاخیر ہوئی۔ شام کا وقت تھا، وہ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح شفقت سے ملے اور فرمایا، کیا مصروفیت بہت زیادہ تھی—؟

نادم ہوا اور عرض کیا، حضور ایسی بات نہیں۔

فرمایا، جب مرید نہیں آتا تو مرشد یاد کرتا ہے، وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔۔ شیخ کے الفاظ زندگی بن گئے۔

اللہ رحیم و کریم ہے۔ ایک وقت آیا کہ دعا قبول ہوئی اور رحمٰن و رحیم ہستی اللہ نے قربت سے نوازا۔

ایک روز پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عرض کیا، ایک وقت تھا کہ جب میں لوگوں کو آپ کے قریب دیکھتا تو سوچتا تھا کہ کتنے خوش نصیب ہیں۔ دل میں ارمان ہوتا کہ کیا مجھے بھی قربت ملے گی—؟ تبسم فرمایا اور کہا، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ زندگی پر غور کرو اور دیکھو کہ اللہ نے سب کچھ دیا ہے۔ شکر ادا کیا کرو، آپ کی زندگی میں شکر بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی آل سے فرمایا کہ شکر ادا کرو، شکر ادا کرنے والے بندے قلیل ہیں۔

صاحبِ دل سے عرض کیا، شکر کیسے ادا کرتے ہیں، کون سی دعا پڑھوں کہ بآسانی ورد کرسکوں؟

فرمایا—یا اللہ! تیرا شکر ہے۔

مرشد اور مرید کا رشتہ—مرید کی زندگی ہے۔ مرشد حقیقی محبت سے متعارف کراتا ہے۔ دنیا کی محبت چاہے وہ مال و زر کی ہو یا مرد و زن کی — فکشن ہے۔

دنیا کی محبت اسے بھی ہوئی لیکن حالات و واقعات اس طرح پیش آئے کہ بہت کچھ تبدیل ہوگیا اور پتا نہیں چلا۔ کئی خواب آئے اور نشان دہی ہوئی کہ راستہ کا انتخاب درست نہیں لیکن سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ

نیند اور بیداری کیا ہیں ___؟

محققین جو سوچتے ہیں انہیں اپنی سوچ کا جواب ملتا ہے لیکن محققین سوچ میں وہی معنی پہناتے ہیں جو پہلے سے ان کا علم ہے۔ اس علم میں قبولیت ہوتی ہے یا تردید ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم اپنے علم اور ماحول میں رائج اعتقادات کے دائرہ میں نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

قرآن کریم کی تعلیمات اور محققین کی تحقیق میں فرق یہ ہے کہ محققین Matter میں تفکر کرتے ہیں اور قرآن کریم حقیقت بینی کے لئے اندر دیکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

فلکیات کے ماہر جب ستاروں کی بات کرتے ہیں تو ستارے اور آدم کا رشتہ اس طرح جوڑتے ہیں کہ فلاں ستارہ سعید ہے اور فلاں ستارہ نحس ہے۔ آدمی ستارہ کی ساڑھ ستی میں آجائے تو حالات خراب ہو جاتے ہیں اور ساڑھ ستی سے نکل آئے تو حالات اچھے ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے:

"مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ ہے سماوات میں اور جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب۔" (الجاثیہ:۱۳)

ستاروں سے متعلق دنیا میں رائج علوم پر تفکر کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم ستاروں کے محکوم اور ستارے ہم پر حاکم ہیں۔ محققین مادی زندگی کو اصل قرار دیتے ہیں___ مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ ہم رات کو خواب میں جنسی لذت حاصل کرتے ہیں۔ صبح بیدار ہونے پر اسی طرح ناپاک ہوتے ہیں جس طرح بیداری میں جنسی عمل کے بعد ہمارے اوپر غسل واجب ہے۔

ہم نے زندگی کو حال، ماضی اور مستقبل میں تقسیم کیا ہوا ہے جب کہ عالم رنگ و بو ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ قرآن کریم کے مطابق ہماری دنیا، سماوات، ارض، عالمین، ستارے، سیارے، کہکشانی نظام، عرش و کرسی___ اور ہم سب ماضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کھربوں سال پہلے کائنات (ماضی) کو تخلیق کیا۔ فی الوقت کھربوں سال پہلے بنی ہوئی کائنات اپنا مظاہرہ کر رہی ہے۔ (آگہی)

شبانہ بانو

رگِ جاں سے قریب

محبت کرنے والوں کو چاند میں محبوب نظر آتا ہے۔ چاند کی چاندنی، دلوں میں امنگوں کی جوت جگاتی ہے، چاہت کی دھنیں ترتیب دیتی ہے۔ پانی جو حیات کا لازمی جز ہے، چاندنی سے مانوس ہوتا ہے کہ یہی محبت کی تاثیر ہے۔ محبت کی منزلیں سحر انگیز ہیں۔ جذبہ صادق ہو تو قدم رکھنے کی دیر ہے اور پھر راستے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

نیل گوں آسمان پر ستاروں کی انجمنیں،
تاریکی میں روشن چاند،
اجالے میں تاریک سورج،
حیات بخش توانائیاں،
معطر معطر نسیمِ سحر،
کوئل کی کوک،
پپیہے کی پیہو،
پتوں کی سرسراہٹ،
پھولوں کا تبسم،
گہرے خاموش پہاڑ،
آبشاروں کی جھنکار،
اور خود ہم ! سب میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو فطرت کو سرسری طور پر دیکھنے کے بجائے یک سو ہو کر تخلیق کے باطن میں غور و فکر کرتے ہیں۔

”آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔“

(البقرۃ:۱۶۴)

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا ارشاد ہے:

”ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کار فرما ہے۔اس کے ذریعے غیب وشہود کی لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے۔ چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں ۔ غیب و شہود کی فراست اور معنویت کائنات کی رگِ جاں ہے۔“

دیکھنے اور سمجھنے کے لئے بنیادی عمل نظر ہے اور نظر کے لئے مرکزیت ضروری ہے۔ نظر کی پہلی مرکزیت خالقِ کائنات ”اللہ“ ہے۔ روزِ ازل خالقِ کائنات سے کیے گئے وعدہ کے تحت آدمی اس بات کا پابند ہے کہ یا اللہ! ہر صورت آپ کا بندہ بن کر رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت تخلیق کی بنیاد ہے۔اس طرح کائنات کی پہلی حرکت — پہلا ارتعاش ”محبت“ ہے۔

خالقِ حقیقی کے دیدار میں مستغرق رہنے کے بعد پردہ غالب آیا اور یہ احساس خلش بن گیا کہ کچھ تو دیکھا ہے! کیا تھا، کیسا تھا —؟ یاد نہیں!

تحقیق و تلاش ہر دور میں موجود رہی ہے۔ حقائق سے واقف ہونے کے لئے ہم نئی نئی چیزوں کو اپنا رہے ہیں لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود کمی ہے۔

نظر اس منظر کو پانے کی جستجو میں ہے جب پہلی مرتبہ خالقِ کائنات کا دیدار کیا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا — قالوا بلیٰ!

ہر لمحہ ایک آس اور امید ہے کہ بندہ ایک بار پھر اس منظر کا حصہ بن جائے۔ امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے اس لئے کہ ناامیدی سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ ارادہ اور نتیجہ کے درمیان کوشش، پل کا کام دیتی ہے۔

کہاوت ہے: ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“

”سنی ہوئی چیز دیکھی ہوئی کی مانند نہیں ہوتی“

مشاہدہ میں تفکر شامل ہوتا ہے۔ درحقیقت تفکر مشاہدہ تک لے کر جاتا ہے۔ قرآن کریم کو اس عزم، ولولہ اور اس ہمت کے ساتھ پڑھئے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں زندگی سنوارنی ہے۔

قارئین! چاند اور چاندنی ایک دوسرے سے منسوب ہیں ۔ یہ نسبت دونوں میں قربت ہے۔ چاہے جانے کا سرور ہے کہ چاندنی، چاند سے ملاپ کے بعد چاہت کے نغموں کے سر بکھیرتی ہے۔ بے خود ہو کر پھولوں میں خوش بو اور پھلوں میں مٹھاس بھرتی ہے۔

محبت کرنے والوں چاند میں محبوب نظر آتا ہے۔

چاند کی چاندنی،
دلوں میں امنگوں کی جوت جگاتی ہے
چاہت کی دھنیں ترتیب دیتی ہے
پانی جو حیات کا لازمی جز ہے
چاندنی سے مانوس ہوتا ہے
کہ یہی محبت کی تاثیر ہے

محبت کی منزلیں سحر انگیز ہوتی ہیں

جذبہ صادق ہوتو قدم بڑھانے کی دیر ہے

اور پھر راستے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

بندہ کو بندہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ سے سوال کرے، اللہ کے لئے بے قرار ہو، اللہ کا حکم مانے، دل میں گداز اللہ کے لئے ہو، اللہ کے لئے زندہ رہے اور اللہ کے لئے مر جائے۔

''کہہ دو کہ میری نماز میری قربانی، میرا جینا اور مرنا اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔'' (الانعام:۱۶۲)

''اور جو آیا سچائی کے ساتھ اور جس نے تصدیق کی اس کی، یہی لوگ ہیں متقی۔ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا۔

(الزمر:۳۳-۳۴)

راستہ جاننے اور طے کرنے میں فرق ہے کیوں کہ راستہ وہی جانتا ہے جس نے منازل طے کی ہوں۔ دریا اور سمندر کے بارے میں سب نے سنا ہے لیکن مانوس وہی ہوتا ہے جو سمندر اور دریا میں سفر کرتا ہے۔

غور وفکر کرنے والوں کی دنیا، دنیا والوں کی فکر سے الگ ہے۔سوچ بچار اور فکر سے ذہن کو توانائی ملتی ہے۔ جسم کو غذا کی ضرورت ہے اور ذہن فکر کی روشنی سے نشوونما پاتا ہے۔

یارب نگاہِ عقل کو ذوقِ جمال دے

ایمان و آگہی کو محبت میں ڈھال دے

تیرا نشاں ملے نہ ملے، یہ میرا نصیب

تو مجھ کو جستجو کے راستہ پہ ڈال دے

دے وہ نظر جو حسن کو بے پردہ دیکھ لے

دے وہ زباں جو عشق کو لفظوں میں ڈھال دے

جس طرح بندہ کی ذات اپنے ماں باپ سے واقف ہے اسی طرح خالق حقیقی سے بھی واقفیت رکھتی ہے۔ دنیا کی زندگی، دن سے رات اور رات سے دن ہونا، مسلسل غیب وشہود، خود آگاہی کی منازل ہیں۔شعور اللہ کی نعمت ہے اور شکر نعمت سے واقفیت میں ہے۔

ماں باپ انگلی پکڑ کر قدم قدم چلنا سکھاتے ہیں۔ جس قدر فہم ہوتا ہے اس کے مطابق ماں باپ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا وقوف ملتا ہے۔اس شعور کے ذریعے ہم خالقِ کائنات اللہ رب العالمین کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور ارادہ کو اللہ کے تابع رکھتے ہوئے اللہ رحمٰن ورحیم تک پہنچنے کی کوشش کریں۔نیت صاف ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو مجھ میں جدوجہد کرتا ہے میں اس کے لئے راستے کھول دیتا ہوں۔راستہ کھلنا، نظر کا کھلنا ہے اس لئے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔اللہ سماوات اور ارض کا نور ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ بشمول ہمارے وجود کے، نور سے

خالی نہیں۔ قدم اللہ سے واقف ہونے کے لئے اٹھتے ہیں تو اسباب ووسائل مظہر بنتے ہیں۔

دنیا، عالمِ اسباب ہے۔ حواس میں علم کی روشنی منتقل ہونے سے فہم وسیع ہوتا ہے اور وسائل مظہر بنتے ہیں۔ دماغ سے نور کی رو گزرتی ہے۔ واقف ہونے سے شعور کی سطح آئینہ کی طرح شفاف ہوجاتی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے راہ بر اور راہ نما ضروری ہے جو راستہ کے نشیب و فراز سے واقف ہو۔ واقفِ اسرار و رموز، اللہ کا بندہ بارش کے پانی پر نگاہ مرکوز کرتا ہے تو نگاہ کی مرکزیت ان قطروں کو سچے موتیوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

''محبت'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ صفتِ محبت کسی بندہ میں بیدار ہوجائے اور محبت خالص اللہ کے لئے ہو تو الٰہی قانون حاصل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی سماعت و بصارت اور ادراک بن جاتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جب وسائل آدمی کے تابع ہوجاتے ہیں۔

میری زندگی تو فراق ہے
وہ ازل سے دل میں مکیں سہی
وہ نگاہِ شوق سے دور ہیں
رگِ جاں سے لاکھ قریب سہی
اسے دیکھنے کی جو لو لگی
تو نصیؔر دیکھ ہی لیں گے ہم
وہ ہزار آنکھ سے دور ہو
وہ ہزار پردہ نشیں سہی

بی بی جاریہ مجہولہؒ

بی بی جاریہ مجہولہؒ کنیز تھیں۔ شہرت سے بچنے کے لئے ویرانہ میں رہتی تھیں۔ حضرت ذوالنون مصریؒ ملنے گئے اور پوچھا: جنگل میں اکیلی کیوں رہتی ہو؟

بی بی جاریہؒ نے فرمایا: سر اٹھاؤ اور دیکھو!

اللہ کے سوا تمہیں کچھ اور نظر آتا ہے؟

حضرت ذوالنون مصریؒ نے پوچھا: تنہا رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟

فرمایا، اللہ نے میرے دل کو اپنی محبت اور حکمت سے اتنا معمور کر دیا ہے اور اپنے دیدار کا شوق اس قدر عطا کر دیا ہے کہ اس کے سوا میں کچھ نہیں دیکھتی۔ وہ ہر وقت میرے پاس ہے۔

اس کے بعد فرمایا، نماز کا وقت ہورہا ہے مجھے نماز پڑھانی ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے دیکھا کہ بی بی جاریہؒ نے پکارا— صفیں درست کرلو۔

بی بی جاریہ مجہولہؒ کی اقتدا میں جنات اور ملائکہ نے باجماعت صلوٰۃ قائم کی۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا کہ کوئی نصیحت کیجئے۔ جاریہ مجہولہؒ نے فرمایا، اے نوجوان! تقویٰ اختیار کر۔ قرآن کریم متقی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے، پرہیزگاری میں زندگی گزار اور ایسے دروازہ پر پہنچ جہاں حجاب اور اللہ سے دوری نہ ہو۔

(کتاب: ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین)

باولی کھچڑی

قارئین! سدھ بدھ ہونا اچھی بات ہے لیکن سدھ بدھ کا تابع ہونا، داناؤں کے نزدیک — نادانی ہے۔ باولی کھچڑی سے مراد کھو کر پانا ہے۔ دودھ کھویا تو کھویا پایا — عمر کھوئی، تجربہ آیا۔ آنے جانے، کھونے اور پانے میں جو کھچڑی پکتی ہے، وہ زندگی کا حاصل بن جاتی ہے۔ بڑوں کا قول ہے — گھی کہاں گیا کھچڑی میں اور کھچڑی گئی پیاروں کے پیٹ میں۔ آپ بھی اس کھچڑی میں حصہ دار بنئے۔

تعجب ہے کہ محبوب کو تسخیر کرنے کے موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ماہرینِ تسخیرِ حُب ہر بات راز میں رکھتے ہیں۔ بس کبھی کبھی اس قسم کے اشتہار چھپتے ہیں۔

"محبت کے ماروں کو مژدہ"

"محبوب ایک ہفتہ کے اندر قدموں میں نہ لوٹنے لگے تو دام واپس۔"

ہمارے ملک میں تسخیرِ حُب کی ضرورت قدم قدم پر پڑتی ہے۔ اگرچہ مصنف کی معلومات اس موضوع پر نہ ہونے کے برابر ہیں تاہم دوسروں کے تجربہ سے چند مفید باتیں تحریر کی ہیں۔

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ چاہنے والا مرد ہے یا عورت۔ سہولت کے لئے ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اگر محبوب عورت ہے تو احتیاط لازم ہے کہ رشتہ داروں پر کبھی فریفتہ نہ ہوں۔ اس کے بعد ارد گرد اور پڑوس میں رہنے والوں سے بھی حتی الوسع احتراز کریں۔ ملاقات کے لئے جاتے وقت پوشاک اور خوراک سادہ ہونی چاہیے۔ مونچھوں کو ہرگز تاؤ نہ دیجئے ورنہ محبوب کے خوف زدہ ہونے کا خدشہ ہے۔

محبوب کو یکسانیت سے بور مت کیجئے۔ ہر اتوار کو ملتے ہوں تو دوسری تیسری مرتبہ منگل کو ملنے جایئے اور اگلی مرتبہ جمعہ کو۔

ماہرین کا خیال ہے کہ عورتوں کو سنجیدہ مرد اس لئے پسند آتے ہیں کہ انہیں وہم ہو جاتا ہے کہ ایسے افراد ان کی باتیں غور سے سنتے ہیں۔ لٰہذا تسخیرِ حُب کرتے وقت گفتگو کے فن کو نظر انداز مت کیجئے۔ نہ صرف محبوب کی باتیں خاموشی سے سنتے رہیے بلکہ اسے یہ یقین دلا دیجئے کہ دنیا میں فقط آپ ہی ایسے شخص ہیں جس کے لئے محبوب کی ہر الٹی سیدھی بات مستقل مسرت ہے۔

محبوب سے زیادہ بحث مت کیجئے — بحث چھڑ جائے تو جیتنے کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ محبوب کی رائے سے متفق ہوجائیے اور ذرا جلدی کیجئے کہ کہیں محبوب دوبارہ رائے نہ بدل لے۔

اگر محبوب آپ کی ہر بات پر مسکرائے اور لگاتار ہنستا رہے تو ہوسکتا ہے کہ اسے اپنے نفیس دانتوں کی نمائش مقصود ہے۔ اگر وہ تعریف سن کر ناک بھوں چڑھائے اور ''ہٹئے بھی'' وغیرہ کہے تو سمجھ لیجئے کہ اسے مزید تعریف مقصود ہے۔ اوائلِ محبت میں محبوب سے یہ پوچھنا کہ اسے آپ سے محبت ہے ایسا ہی ہے جیسے کسی ناول کا آخری باب پہلے سے پڑھ لینا۔

اگر محبوب مرد ہے تو یہ بات ضرور نوٹ کیجئے کہ وہ آپ کو نوٹ کر رہا ہے یا نہیں۔ اس کے سامنے کسی عورت کی برائی مت کیجئے ورنہ وہ اس سے متاثر ہوجائے گا۔

جو مرد مونچھوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ خود پسند ہوتے ہیں لیکن جو شیو کرتے ہیں وہ بھی کم خود پسند نہیں ہوتے۔

آپ کی باتیں تب تک غیر موثر ہیں جب تک آنکھ میں آنسو نہیں آتے لہٰذا بیشتر اس کے کہ محبوب کو پتہ چل سکے کہ کیا ہورہا ہے، آپ رونا شروع کردیجئے۔

محبوب جن خواتین کے متعلق بات کرے، بے فکر رہیے — لیکن اگر وہ کسی خاتون کے ذکر سے گریز کرتا ہے تو ہوشیار — خبردار! ممکن ہے کہ دال میں کچھ کالا ہونے کے بجائے ساری دال ہی کالی ہو۔

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ راز کسی کو نہیں بتائیں گی لیکن بتاتے وقت یہ کبھی مت کہئے — ''تمہیں قسم ہے جو کسی اور سے کہا ہو تو۔'' اس سے سننے والے کو شبہ ہوگا اور فوراً کسی اور کو بتادیا جائے گا۔

عقل مند محبوب کو قابو میں رکھنا مشکل نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی بار میں سبق سیکھ لیتا ہے لیکن اگر وہ کم عقل ہے تو ذہین سے ذہین عورت کے لئے سنبھالنا محال ہے۔

محبوب سے تبھی ملئے جب اس کی صحت اچھی ہو اور مزاج بخیر ہوں کیوں کہ دانت یا سر کے ذرا سے درد سے دنیا اندھیرا معلوم ہونے لگتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ حسین لوگ اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنے سادہ شکل والے۔ سادہ شکل افراد نشانہ درست کرکے وار کرتے ہیں جب کہ حسین اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔ انہیں آئینہ دیکھنے سے فرصت نہیں ہوتی۔

اگر محبوب یہ جتائے کہ آپ نوعمر لڑکے ہوتے چلے جارہے ہیں تو سمجھ جائیے کہ آپ بوڑھے ہورہے ہیں۔

یاد رکھیے کہ محبوب کی نگاہوں میں چالیس پینتالیس برس کا نوجوان پچیس تیس سالہ بوڑھے سے کہیں بہتر ہے اور ایسے نوعمر بوڑھے ان دنوں ان گنت ہے۔

(مزید حماقتیں : ارسلان احمد۔ کراچی)

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْک
عمرہ سروس
THE FLYING PEOPLE
تجمل ٹریولز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
D.T.S
TRAVEL AGENTS
TAAP
ASSOCIATION OF PAKISTAN
• بجٹ پیکج
•• اکانومی پیکج
••• سٹار پیکج
ویزہ
ہوٹل / ٹرانسپورٹ
ائیرلائن ٹکٹ
زیارات
عمرہ کی رہنمائی اور تمام ائیرلائن کی سستی ترین ٹکٹ دستیاب ہیں
رانا تجمل حسین
0300-6654211
0321-6680266
طیب طاہر
0336-6333313
0347-7000038
Gole Bhawana &Aminpur Bazar, Faisalabad.
Email:tajammaltravels1@gmail.com
Ph:041-2641904
PIA
Pakistan International
طيران الخليج
GULF AIR
QATAR
AIRWAYS القطرية
airblue
Emirates
flydubai
العربية للطيران
airarabia.com
SHAHEEN AIR

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry

Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry

Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics

Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry

Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry

Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery

Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry

Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE

LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA

Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

معمولی حد تک اونچی آواز سنائی دی۔ بارعب لہجہ میں پوچھا، کون ہے؟ بازگشت سنائی دی۔ بادشاہ غصہ ہوگیا کہ آخر کون گستاخ ہے؟ آواز کی سمت چل پڑا۔

پگ ڈنڈی پر چلتے ہوئے تھوڑی دور آیا تو دیکھا کہ ایک مزدور لکڑی کاٹ رہا ہے۔ دھوپ کی تمازت سے چہرہ سرخ اور ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی ہیں۔ مزدور کام میں منہمک آس پاس سے بے خبر تھا۔ ہر بار کلہاڑی ہوا میں بلند کرتا اور زور سے تنے پر مارتا۔ جب پیڑ کٹ گیا تو تنا زمین پر گرنے کے بعد تنے کے ٹکڑے کیے۔ بادشاہ بڑے شوق سے اسے کام کرتے دیکھ رہا تھا۔ کلہاڑی کی ضرب اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔ خود سے کہا—— بے چارہ لکڑ ہارا، کتنی سخت گرمی ہے، مگر محنت کر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد لکڑ ہارے نے کلہاڑی رکھ دی اور کرتے کے پلو سے چہرہ خشک کرکے درخت کے سہارے ستانے بیٹھ گیا۔ جمائی آئی، پہلو بدلا—— نظر اجنبی پر پڑی تو پوچھا کون ہے؟

بادشاہ مسکرایا اور کہا، بہت تھک گئے ہوگے، کچھ دیر آرام کرلو۔ لکڑ ہارا بولا، جناب آپ نے تو مجھے ڈرا دیا۔ میں سمجھا جنگلات کے افسر ہیں یا کوئی آسیب۔ لیکن آواز سن کر تسلی ہوگئی کہ میری طرح آدمی ہیں—— معلوم ہوتا ہے کہ کبھی مشقت نہیں کی۔

بادشاہ نے سر ہلا کر تائید کی۔ قریب آیا تو لکڑ ہارے نے ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھایا۔ میری ہاتھوں کی طرح آپ کی ہتھیلی کھردری نہیں۔ آپ درزی ہیں؟

نہیں میں درزی نہیں ہوں۔ کیا اتنی سخت مشقت کے بعد گہری نیند سو جاتے ہو——؟

لکڑ ہارا ہنسا اور بولا—— میں گھنٹوں سوتا ہوں اور نیند اتنی گہری ہوتی ہے کہ کھٹملوں کے کاٹے کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے بے یقینی سے سر ہلایا۔

یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے۔ اگر میں امیر ہوتا تو ہفتہ بھر تک نیند سے نہ جاگتا لیکن غریب آدمی ہوں۔ کام نہیں کروں گا تو گزر بسر کیسے ہوگی۔ بیوی بچے کی کفالت کیسے ہوگی؟ بادشاہ سوچ میں گم اور لکڑ ہارا کام میں مصروف ہوگیا۔

عام آدمی کے بھیس میں بادشاہ نے کہا—— کیا تم نے نہیں سنا کہ ہمارے بادشاہ کو طویل عرصہ سے نیند نہ آنے کا مرض ہے۔

لکڑ ہارا ہنستے ہوئے بولا، سنا ہے اور تعجب بھی ہے۔ بادشاہ کو گزر بسر کے لئے میری طرح سخت محنت نہیں کرنا پڑتی۔ ہر حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ سونے کے لئے نرم بستر ہے، خدام ہیں—— نیند مگر نہیں آتی۔

بادشاہ خاموش رہا۔ لکڑ ہارا بولا، میرے پاس بادشاہ کی بیماری کا علاج ہے۔

بادشاہ چونک گیا اور بے ساختہ پوچھا، وہ کیا——؟

محنت—— صرف ایک دن بادشاہ لکڑیاں کاٹ لے، اسے معلوم ہوجائے گا کہ نیند کیسے آتی ہے۔

یہ کہتے ہوئے لکڑ ہارا اٹھا—— کافی دیر آرام کرلیا، کام

شروع کر دینا چاہئے ۔ اگر افسر نے باتیں کرتا دیکھ لیا تو نوکری سے نکالنے میں دیر نہیں کرے گا۔

بادشاہ کے ساتھ لکڑ ہارے کی باتیں دل چسپ تھیں ۔ تعجب ہوا کہ معمولی لکڑہارا سکون کی نیند سوسکتا ہے تو بادشاہ کیوں نہیں ؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا ،سنو! کلہاڑی مجھے دے دو۔تم تھک گئے ہو۔ میں تمہارا کام کرلیتا ہوں جب تک تم آرام کرلو۔

نا بھائی نا! شام سے پہلے یہ کام ختم کرنا ہے۔اور پھر تم نے تو کبھی محنت نہیں کی، بھلا ایک دن میں درخت کیسے کاٹ لوگے۔غریب مزدور نے جواب دیا۔

بادشاہ بولا، درخت ارادہ سے کٹتا ہے۔ میں ارادہ کر چکا ہوں کہ درخت کاٹنا ہے لہٰذا میں یہ کام کرلوں گا۔ جہاں تک تجربہ نہ ہونے کی بات ہے تو کام کر کے تجربہ ہوجائے گا۔غریب آدمی نے بے یقینی سے دیکھا۔

فکر نہ کرو، جاؤ پیڑ کے سائے میں سوجاؤ۔تم نے کہا ہے کہ تم کہیں بھی سو سکتے ہو۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی تمہیں نیند آجائے گی۔

آگے بڑھ کر ہاتھ سے کلہاڑی لی اور پیڑ کاٹنا شروع کیا۔لکڑہارا سائے میں لیٹ گیا۔تھوڑی دیر بعد بادشاہ کو خراٹوں کی آواز سنائی دی ،مڑ کر دیکھا تو لکڑ ہارا سو چکا تھا۔حیران ہوا کہ تکیہ، بستر نہ چٹائی لیکن نیند آگئی!

لکڑ ہارے سے وعدہ کیا تھا کہ شام سے پہلے کام مکمل کرلے گا۔لہٰذا لکڑی کاٹنے میں مشغول ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد تکان محسوس ہوئی، جسم پسینے میں شرابور ہوگیا ۔ آخر کار پیڑ کٹ گیا۔اس نے تنے کے ٹکڑے کیے۔

بادشاہ نے سکون کا سانس لیا اور کلہاڑی رکھ کر درخت سے پشت لگا کر بیٹھ گیا ۔ ہتھیلیوں میں جلن محسوس ہوئی۔ دیکھا تو ہتھیلیاں سرخ ہورہی تھیں اور جگہ جگہ خراشیں تھیں۔کندھے، کمر اور بازو اکڑ چکے تھے اور ٹیسیں اٹھتی محسوس ہورہی تھیں جیسے درخت کا تنا نہیں، پہاڑ کاٹا ہو۔

بادشاہ نے سوچا کہ لکڑ ہارا روز محنت کرتا ہے یہ سوچے بغیر کہ کام آسان ہے یا مشکل۔ جب کہ میرے پاس ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔ میں لکڑ ہارے کی طرح روز لکڑیاں تو نہیں کاٹ سکتا لیکن سیر و تفریح میں وقت صرف کرنے کے بجائے ، رعایا کے معیارِ زندگی کو بہتر بنانے پر کام تو کرسکتا ہوں ۔ ان شعبوں پر توجہ دوں جن سے مملکت کا نظام بہتر ہوسکتا ہے۔ذہن خدمتِ خلق کے کاموں میں مصروف ہونے سے میں سکون سے واقف ہوں گا۔ بادشاہ کا کام سیر و تفریح نہیں، رعایا کی دیکھ بھال ہے۔ نینداس لئے نہیں آتی کہ میں نے اپنے منصب کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ناانصافی سے اعصابی نظام میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور زندگی میں توازن قائم نہیں رہتا۔

محاسبہ میں گم بادشاہ کے پپوٹے بھاری ہونے لگے اور آہستہ آہستہ آنکھیں بند ہوگئیں ـــــ وہ بھی لکڑ ہارے

کی طرح گہری نیند سو گیا۔

شام ہوئی۔ افسر آیا اور لکڑ ہارے کے ساتھ اجنبی کو موجود پایا تو بہت غصہ ہوا اور زور سے بولا — کام چور کاہل آدمی، اٹھ! شور سے بادشاہ اٹھ گیا۔

تم کون ہو؟ افسر نے بادشاہ سے پوچھا۔

نیند میں خلل ڈالنے والے شخص کو غور سے دیکھا اور پوچھا، شور کیوں مچا رہے ہو؟ پھر لکڑ ہارے پر نظر ڈالی اور کہا، اسے سونے دو، بہت تھکا ہوا ہے۔

میں کیا کروں اور کیا نہ کروں، تم ہدایت دینے والے کون ہو؟ اس کے بعد افسر تمسخر سے ہنسا اور روکھے انداز میں بولا — میں کون ہوں؟ میں اس جنگل کا سب سے بڑا افسر ہوں۔ سب کچھ میرے اختیار میں ہے۔

بادشاہ کو شدید غصہ آیا۔ افسر کی گردن پکڑ لی اور دانت پیستے ہوئے کہا — دور ہو جاؤ یہاں سے ورنہ وہ حال کروں گا کہ یاد رکھو گے۔ خبردار جو اس آدمی کو جگایا۔

افسر غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ بد دماغ آدمی تھا اور ماتحتوں سے سلوک مناسب نہیں تھا۔ جاتے ہوئے بولا، یاد رکھنا! بدتمیزی کا مزہ ضرور چکھاؤں گا۔

بادشاہ کے محل سے غائب ہونے پر افراتفری مچ گئی۔ سپاہی، خدام سب تلاش میں نکلے۔ کہیں موجود نہ پایا تو جنگل کا رخ کیا۔ جنگل سے ایک آدمی کو نکلتے دیکھا۔ وہ بہت غصہ میں تھا۔ بھاگتا ہوا سپاہیوں کی طرف آیا۔

کیا تم نے بادشاہ کو دیکھا ہے؟ سپاہیوں نے پوچھا۔

نہیں، میں نے بادشاہ کو نہیں دیکھا۔ مگر آپ لوگ میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کو الجھے الجھے بالوں والے اجنبی سے ملواتا ہوں جو اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔

سپاہیوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جنگلات کے افسر کے ساتھ وہاں چل دیئے جہاں بادشاہ لکڑ ہارے کے ساتھ موجود تھا۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور برابر میں مزدور سو رہا ہے۔

افسر نے غصہ سے بادشاہ کی طرف اشارہ کیا اور بولا، یہ رہا وہ گستاخ —! باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ گھبرا گیا جب دیکھا کہ تمام سپاہی اس شخص کے سامنے ادب سے جھک گئے۔

سپاہیوں نے کہا — عالی جاہ! آپ کو ہر جگہ تلاش کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ صحیح سلامت ہمیں مل گئے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ سوتے ہوئے شخص کو محل میں پرسکون کمرے میں، نرم بستر پر لٹا دیں اس طرح کہ نیند خراب نہ ہو۔ پھر سوچتے ہوئے کہا — نہیں رہنے دو۔ اسے سونے دو جب تک کہ یہ خود نہ جاگ جائے۔ جب یہ سو کر اٹھے تو بہترین کھانا کھلاؤ۔ اس شخص نے میری بیماری کا علاج کیا ہے۔ سپاہیوں نے تعجب سے سوتے ہوئے لکڑ ہارے کو دیکھا۔

اس رات محل میں دعوتِ عام کا اہتمام کیا گیا جس میں امیر غریب سب مدعو تھے۔ ہر طرف چراغاں تھا اور سب لوگ خوش تھے۔

گلستان احمد

آدھا شعور آدھا لاشعور

جو فرد سب کے لئے اچھا ہو، وہ کسی کے لئے برا بھی ہوسکتا ہے۔ یہی صورت ہماری ہے۔ ہم ایک وقت میں سب کے ساتھ اچھے اور سب کے ساتھ برے نہیں ہوتے — کسی کے ساتھ اچھے اور کسی کے ساتھ برے ہوتے ہیں — وجہ ذاتی اغراض ہیں۔

ہر ذی فہم واقف ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ فرد کہیں سے اس دنیا میں آتا ہے اور مقررہ وقت گزار کر کسی اور دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ مردہ جسم کے بارے میں کوئی ایک شخص نہیں کہتا کہ یہ فلاں ہے، سب کہتے ہیں کہ فلاں کی ڈیڈ باڈی ہے۔

سمجھا یہ جاتا ہے کہ وجود میں حرکت غذا سے ہے۔ غذا موجود ہے لیکن پانی ڈیڈ باڈی کے حلق سے نہیں اترتا۔ یہ حقیقت سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ مادی جسم کیا ہے اور وہ کون تھا جس نے اس جسم کو متحرک رکھا۔

فرد کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ اپنی مرضی سے دنیا میں آتا ہوں نہ مرضی سے واپس جاتا ہوں۔ اگر مرضی ہوتی تو کبھی اس دنیا سے نہیں آتا اور وہاں نہیں جاتا۔

دنیا سے کوئی جانا نہیں چاہتا جب کہ جانا ضروری ہے۔ جب دنیا میں آنے اور جانے پر اختیار نہیں تو پھر درمیانی وقفہ کیا ہے — ؟

آپ کئی مرتبہ پڑھ چکے ہیں کہ ظاہر اور باطن زندگی کے دو رخ ہیں۔ ظاہر — باطن کے تابع ہے۔ اطلاع باطن سے آتی ہے، ظاہر میں اس پر عمل ہوتا ہے۔ اطلاع میں ذاتی اغراض شامل کر دی جائیں تو یہ تغیر ہے جس سے فکشن پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ایک چیز فرض کر لی گئی۔ جو اطلاع آئی، اس میں معنی پہنا دیئے گئے کہ یہ میرے لئے ہے۔

اس کے برعکس حقیقت میں تغیر نہیں ہے۔ اطلاع اصل صورت میں موجود رہتی ہے، ہم اطلاع میں معنی پہنا کر محدود کر دیتے ہیں۔

مادی شعور کسی سے متعلق رائے قائم کرتا ہے، تجربات کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بندہ قائم کی گئی رائے کے برعکس ہے۔ رائے اس لئے غلط ثابت ہوئی کہ ہم حقیقت سے واقف نہیں۔ مثلاً ایک شخص ایک وقت میں کسی کو اچھا کہتا ہے اور دوسرے دن برا کہہ دیتا

ہے۔اچھایابرا کہنا ذاتی تجربات پر مبنی ہے۔ جو فرد سب کے لئے اچھا ہو، وہ کسی کے لئے برا بھی ہوسکتا ہے۔ یہی صورت ہماری ہے۔ہم ایک وقت میں سب کے ساتھ اچھے اور سب کے ساتھ برے نہیں ہوتے—— کسی کے ساتھ اچھے اور کسی کے ساتھ برے ہوتے ہیں——وجہ ذاتی اغراض ہیں۔کوئی ہمارے ساتھ اچھا کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اچھا ہے، برا ہو جائے تو رائے تبدیل ہو جاتی ہے۔ بالآخر بندہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میری عقل وشعور ناقص ہے،لہٰذا متغیر سوچ سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔

فرد خوش ہے،تھوڑی دیر بعد بے چین ہو جاتا ہے۔ دراصل وہ بے چین و بے قرار تھا مگر خود کو خوش ظاہر کیا۔ خوش اس لئے نہیں ہے کہ حقیقی خوشی سے واقف نہیں۔ حقیقی خوشی باطن کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہے۔ جب تک بندہ باطن کی طرف متوجہ رہتا ہے،خوشی قائم رہتی ہے۔

مادی شعور مظاہر (کثرت) کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتا ہے اس لئے ذہن منتشر ہوتا ہے۔سوچنا یہ ہے کہ مستقل سکون اور حقیقت آشنا زندگی سے کیسے واقف ہوں——؟

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ قرآن کریم کی تعلیمات سے واقف ہیں۔ وہ تعلیم دیتے ہیں کہ آدمی دنیا کی بے ثباتی کو سمجھے اور اس بے ثبات دنیا میں اپنے کردار سے واقف ہو۔ان باتوں پر غور کرنے سے بندہ فانی دنیا کی پیچیدگیوں سے نکلتا ہے۔

زندگی حواس اور فکر کی یک جائی کا نام ہے۔حواس کسی شے کو دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں اور فکر اطلاع کے اندر معانی پہناتی ہے۔روز مرہ زندگی میں لفظ ”فکر“ کا استعمال پریشانی کے طور پر ہوتا ہے کہ مجھے تمہاری فکر ہے۔حقیقی طرزوں میں فکر سے مراد پریشانی نہیں ہے بلکہ فکر وہ ایجنسی ہے جس نے جسمانی نظام کو متحرک رکھا ہے۔ اس طرح زندگی رواں دواں رہتی ہے۔

تفکر آگاہ کرتا ہے کہ فکر اور حواس بیداری میں بھی کام کرتے ہیں اور نیند کی دنیا میں بھی۔زندگی دونوں طرزوں میں ہمہ وقت سفر کرتی ہے۔جس طرف متوجہ ہو جائیں وہ حصہ سامنے آجاتا ہے، باقی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔

اعمال بیداری میں بھی ہیں اور نیند کی دنیا——خواب میں بھی۔نیند میں جانے کا مطلب یہ ہے کہ بیداری میں حواس کا جو طریق کار تھا وہ معطل ہو گیا۔

خواب کی زندگی کیا ہے اور خواب میں کون سی فکر کام کرتی ہے——؟ بیداری میں اطلاع پانچ بنیادی حواس میں تقسیم ہوتی ہے،خواب میں نہیں ہوتی۔خواب میں مادی اعضا بے حرکت ہوتے ہیں لیکن آدمی وہ سارے کام کرتا ہے جو بیداری میں ہوتے ہیں۔

قرآن کریم نے بیداری یا دن کی زندگی کو نہار اور

خواب یارات کو لیل کا نام دیا ہے۔

''سماوات اور ارض کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (آل عمران:۱۹۰)

لیل اور نہار کے مختلف ہونے میں غور کرنے والوں کے لیے ایسی نشانیاں ہیں جن کے ذریعے وہ حقیقت کا کھوج لگا سکتے ہیں اور غصہ، اضطراب، ڈپریشن، عدم تحفظ کے احساس اور موت کے خوف سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ مادی شعور خود سے راہ نہیں پا سکتا اس لئے کہ وہ مقید ہے۔ اسے راہ نما کی ضرورت ہے جو حق آشنا ہو۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں:

''جب ہم آدمی کی پوری زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی عمر کا نصف لاشعور کے اور نصف شعور کے زیر اثر ہے۔ پیدائش کے بعد انسانی عمر کا ایک حصہ غیر شعوری حالت میں گزرتا ہے۔ پھر ہم تمام زندگی میں نیند کا وقفہ شمار کریں تو وہ عمر کی ایک تہائی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر غیر شعوری عمر اور نیند کے وقفے ایک جگہ جمع کیے جائیں تو پوری عمر کا نصف ہوں گے۔ یہ وہ نصف ہے جس کو انسان لاشعور کے زیر اثر بسر کرتا ہے۔ ایسا کوئی انسان پیدا نہیں ہوا جس نے قدرت کے اس قانون کو توڑ دیا ہو۔ چنانچہ ہم زندگی کے دو حصوں کو لاشعوری اور شعوری زندگی کے نام سے جانتے ہیں۔ یہی زندگی کی دو قسمیں ہیں۔ لاشعوری زندگی کا حصہ لازماً غیر رب کی نفی کرتا ہے اور اس نفی کا حاصل اسے غیر ارادی طور پر جسمانی بیداری کی شکل میں ملتا ہے۔''

کسی کی عمر 70 سال ہے تو پینتیس سال لاشعوری حواس کے زیر اثر اور پینتیس سال شعوری حواس کے زیر اثر گزرتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ قدرت نے لاشعوری اور شعوری وقفے برابر کیوں رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تخلیق فرمایا، نیابت کے علوم منتقل فرمائے، فرشتوں کے سامنے ان علوم کا عملی مظاہرہ کروایا، فرشتوں نے آدمؑ کی حاکمیت کو قبول کیا اور خالقِ کائنات نے حضرت آدمؑ اور بی بی حوا کے رہنے کے لئے جنت کو پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو خوش ہو کر وسائل استعمال کرو۔'' (البقرۃ:۳۵)

حضرت آدمؑ جب جنت میں تھے تو لاشعوری حواس غالب اور شعوری حواس مغلوب تھے۔ جنت کی لاشعوری زندگی پر جب ہم غور کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل حقیقت واضح ہوتی ہے:۔

★ جنت کی زندگی میں حضرت آدمؑ اپنے اور اللہ تعالیٰ

کے تعلق سے واقف تھے۔

★ جہاں سے چاہو خوش ہو کر کھاؤ کا مطلب ہے کہ ٹائم اور اسپیس حضرت آدمؑ کے تابع تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر وقت خوشی اور سرشاری کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ خوف، غم اور مصائب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وسائل کی محتاجی نہیں تھی۔ بلا محنت و مشقت جہاں سے چاہتے کھاتے پیتے تھے لیکن جب شجرِ ممنوعہ کے پاس گئے تو نافرمانی سے یقین کا پیٹرن ٹوٹ گیا۔ خوشی اور سرشاری کی کیفیت ختم ہوگئی اور قانون کے مطابق ناخوش آدمی جنت میں نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا زندگی کا وہ رخ سامنے آیا جس میں حواس محدود ہو جاتے ہیں۔

★ محدود حواس کے غلبہ سے غم والم میں مبتلا ہوئے۔

★ خورد و نوش کے لئے محنت و مشقت کرنا پڑی۔

محدود حواس کے غلبہ کو قرآن کریم نے ''ظلم'' کہا ہے — ظلم نافرمانی ہے۔

تجزیہ سے دن اور رات کے حواس جن کو ہم شعور اور لاشعور کہتے ہیں، کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ رات کے حواس، جنت کی زندگی اور دن کے حواس یہ دنیا ہے۔ رات کے حواس میں ذہنی مرکزیت اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ قائم رہتی ہے جب کہ دن کے حواس میں ذہن افرادِ معاشرہ اور مادی اشیا پر مرکوز ہوتا ہے۔

دن کے حواس یا مادی زندگی میں ہم وسائل کو اولیت دیتے ہیں جب کہ رات کے حواس میں وسائل کا درجہ ثانوی ہے۔ ذہن وسائل فراہم کرنے والی ہستی، خالقِ کائنات پر مرکوز ہو جائے تو دن میں رات کے حواس غالب آجاتے ہیں اور لاشعور — فرد کا شعور بنتا ہے۔ لاشعوری زندگی کا حصہ لازماً غیر رب کی نفی کرتا ہے اور اس نفی کا حاصل اسے غیر ارادی طور پر جسمانی بیداری کی شکل میں ملتا ہے۔

سمجھا یہ جاتا ہے کہ خارج سے جو غذا انسان کو ملتی ہے اس سے خون و جسم بنتا ہے۔ یہ قیاس سرے سے غلط ہے۔ دراصل انسان کا لاشعور تصورات کو مادہ کی شکل میں بدل ڈالتا ہے۔ یہی مادہ جسمانی خدوخال اور ثقل کی صورت میں متعارف ہے۔ جب لاشعور کسی وجہ سے تصورات کو مادہ میں منتقل کرنے کا اہتمام نہیں کرتا تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

لاشعور سے شعور کو فیڈنگ ملتی ہے۔ خالق و مالک اللہ نے جنت کی آزاد اور خوش کن زندگی ختم نہیں کی بلکہ جنت کے حواس پردہ میں چلے گئے اور مادی حواس کا غلبہ ہو گیا — واضح ہوتا ہے کہ مادی زندگی میں خارج کی طرف متوجہ رہنے سے انرجی کی بہت بڑی مقدار خرچ ہوتی ہے جس کی وجہ سے تھکن غالب ہو جاتی ہے اور آدمی خودکار نظام کے تحت اس زون (نیند) میں جانے پر مجبور ہو جاتا ہے جہاں توانائی کا ذخیرہ ہے۔

نیند میں وہ کاسمک ریز (لاشعوری انرجی) کی ایک خاص مقدار وصول کرتا ہے جس سے خلیات میں ٹوٹ پھوٹ کی مرمت ہوتی ہے۔ رات کے حواس، قدرت کی

طرف سے دن کے حواس کو توانائی بخشنے کا انتظام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نوعِ آدم کو علم و ارادہ عطا کیا ہے کہ وہ زندگی کو لاشعور سے رابطہ قائم کر کے بہتر بناتا ہے یا صرف شعور کے زیر اثر رہ کر بدتر زندگی گزارتا ہے۔ شعور میں انہماک بڑھنے سے لاشعور میں زندگی کا وقفہ کم ہو جاتا ہے جب کہ زندگی لاشعور سے آ رہی ہے۔ لاشعور کیا ہے ہم نہیں جانتے جب کہ جانتے ہیں اس لئے کہ زندگی کا نصف شعور میں گزرتا ہے اور نصف لاشعور میں۔ بیداری میں دیکھنا، سمجھنا، قبول کرنا، رد کرنا شعوری طرز ہے جب کہ خواب کی پوری زندگی لاشعور کے تابع ہے۔

لاشعوری وقفہ بڑھا دیا جائے تو روحانی بیداری میسر آتی ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ذہن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ معاشرتی ذمہ داریاں پوری کریں لیکن یہ یاد رہے کہ جان ہے تو جسم ہے۔ جان نہ ہو تو جسم محض ڈیڈ باڈی ہے۔ جس ہستی کے امر سے زندگی متحرک ہے، وہ اصل ہے۔ وسائل اس کے تابع ہیں۔ ہماری توجہ وسائل پر ہے لیکن جس نے وسائل عطا کیے ہیں اس ہستی سے ہم غافل ہیں۔

ہم دنیا میں پانچ ہزار سال کی توانائیاں لے کر پیدا ہوتے ہیں مگر شعور میں انہماک زیادہ ہونے سے ساٹھ ستر سال میں خرچ کر دیتے ہیں۔ شعور میں زیادہ انہماک سے لاشعور میں توجہ کم سے کم ہو جاتی ہے۔

بیل بہت لاغر ہے

مسلمان محققین محمد بن زکریا رازی اور ابن سینا ممتاز نفسیاتی معالج ہیں۔ ذہنی امراض کی تشخیص اور علاج کے ایسے طریقے ایجاد کئے جو فرائڈ اور ینگ نے بیسوی صدی میں مریضوں پر آزمائے۔

ایک دفعہ بویہ خاندان کا شہزادہ مجد الدولہ مالیخولیا کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور خود کو بیل سمجھنے لگا۔ بیل کی طرح ڈکار لیتا — نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔ کہتا تھا کہ مجھے ذبح کر دو۔ بادشاہ بہت فکر مند ہوا۔ شیخ الرئیس ابن سینا کو مریض کی حالت بتائی گئی۔

غور و فکر کے بعد شیخ نے بادشاہ سے کہا میں جو کہوں اس پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے کہا، شہزادہ سے کہہ دیں کہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے قصاب آ گیا ہے، تیار ہو جاؤ۔

شیخ نے شہزادہ کے ہاتھ پیر بندھوا دیئے — قصابوں کی طرح چھری پر چھری رگڑ کر آگے بڑھے اور اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔

شہزادہ کے بدن کو ٹٹولا اور کہا — یہ بیل بہت لاغر ہے، ہم اس کو ذبح نہیں کریں گے۔ جب فربہ ہو جائے گا تو ذبح کریں گے، اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے جائیں۔

اس کے بعد شہزادہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ مرض جاتا رہا اور وہ صحت یاب ہو گیا۔

سرورق کی تشریح

’’اللہ وہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے ثمرات پیدا کیے۔‘‘ (ابراھیم:۳۲)

غور وفکر سے راہ نمائی ملتی ہے کہ پانی وہ جز ہے جس پر تخلیقات کا دارومدار ہے۔ ہر مظہر کی پہچان نقش ونگار سے ہے۔ نقش ونگار فنا و بقا کے مراحل سے گزرتے رہتے ہیں لیکن نوعی پہچان تبدیل نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ مظہر عارضی ہے اور نقش ونگار، رنگوں کی تقسیم ہے۔ نقش ونگار مادہ ہے جس کو فنا ہے مگر اصل باقی رہتی ہے۔ بیج اس وقت تک نشوونما کے عمل سے نہیں گزرتا جب تک پانی اندر داخل ہوکر سیراب نہ کردے۔ بیج مخصوص پروسیس سے گزر کر درخت بنتا ہے اور درخت میں پورے تقاضے موجود ہوتے ہیں۔ درخت پانی سے پیاس بجھاتے ہیں۔ جب درختوں کا ہجوم ہوجاتا ہے، پیاس میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ پیاس دراصل لہروں کا مجموعہ ہے۔ لہریں جب تشنگی دور کرنے کے لئے آسمان سے رجوع کرتی ہیں تو بادل ماحول پر چھاجاتے ہیں اور درختوں کی سیرابی کے لئے بارش برستی ہے۔

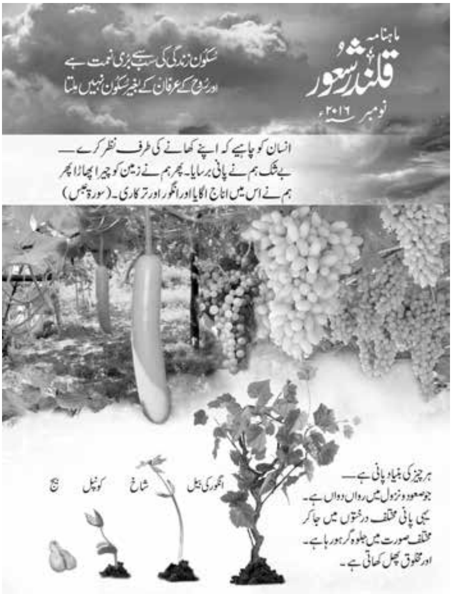

پانی جس سانچے میں جاتا ہے، اس شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ کبھی اونچے درختوں پر لگے ناریل میں ٹھہر جاتا ہے اور کبھی انگور بن جاتا ہے۔ بہت سے درخت اور پودے صحرا میں اگتے ہیں جہاں پانی نظر نہیں آتا، لمبی گردن والا زرافہ بہت کم پانی پیتا ہے۔ کائنات ایسا عجائب خانہ ہے جس میں تخلیق کی بنیاد پانی ہے۔ کتاب ’’نظریۂ رنگ ونور‘‘ میں ہے:

’’جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے اس کی بنیاد روشنی ہے، ایسی روشنی جس کے اندر بہاؤ ہے۔‘‘

حضرت عیسیٰؑ تخلیقی علوم کے تحت مردوں کو زندہ کرتے، پانی اور مٹی سے چڑیا بنا کر پھونک مارتے تو چڑیا میں زندگی دوڑ جاتی اور وہ اڑ جاتی۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں:

''اور جو شخص اس پانی میں سے پیئے گا جو میں اسے دوں گا وہ ابد تک پیاسا نہ ہوگا بلکہ جو پانی میں اسے دوں گا وہ اس میں ایک چشمہ بن جائے گا جو ہمیشہ جاری رہے گا۔''

پانی توانائی ہے۔ توانائی روشنی اور روشنی اللہ کی صفت ہے۔ دراصل روشنی ہی علم ہے۔ ہمارے سامنے علم کی شکل وصورت آئے گی تو وہ ایک طرح کی روشنی ہوگی جو مخصوص رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ روح کو روشنیوں کا علم حاصل ہے اس لئے سب سے پہلے روح کو جاننا ضروری ہے۔ (نگہت حیات)

کائنات میں ہر شے سفر کے مرحلے طے کرتی ہے یعنی غیب سے ظاہر اور پھر غیب میں چلی جاتی ہے۔ پانی جب بارش کی شکل میں نزول کرتا ہے تو زمین کے اوپر اور نیچے شہر آباد ہو جاتے ہیں۔ پانی کی خاصیت جذب کرنے اور جذب ہونے کی ہے۔ مختلف سانچوں کے اناج، پھل، ان میں پانی جذب ہو کر مختلف شکلیں بناتا ہے۔ زمین کے اندر زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ بیج پانی کو جذب کر کے پودے کو جنم دیتا ہے جو اپنی نمو کے مکمل ہونے پر پھل پیدا کرتا ہے جس کو مخلوق استعمال کرتی ہے، پانی مختلف شکلوں میں ڈھل کر مخلوقات کی خدمت کرتا ہے۔ شے کا ایثار — فنائیت ہے جس کے بعد بقا ہے۔ پانی فنا ہوتا ہے تو مختلف صورتوں میں ظاہر ہو جاتا ہے — غائب ہو کر بھی موجود رہتا ہے۔ (ڈاکٹر زبیر احمد)

ہر مخلوق میں مختلف اوصاف نمایاں ہیں۔ کچھ مخلوقات زمین پر چلتی ہیں کچھ زمین کی تہوں میں زندگی گزارتی ہیں۔ بعض ہوا میں اڑتی ہیں اور پانی کی مخلوقات بھی ہیں۔ یعنی بعض میں ثقل کی مقداریں زیادہ ہیں تو بعض میں لطافت نمایاں ہے۔ انبیائے کرام اور برگزیدہ ہستیوں کے واقعات راہ نمائی کرتے ہیں کہ پانی میں عقل وشعور ہے۔ یہ سنتا، سمجھتا اور دیکھتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عصا پانی میں داخل کیا تو پانی نے تابع داری کی اور راستہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کو خط لکھا تو وہ سرکشی سے باز آ گیا۔

''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا تاکہ اس کے ذریعے مردہ شہر کو زندہ کردیں۔'' (الفرقان: ۴۸۔۴۹)

پانی کو عموماً بے رنگ کہا جاتا ہے۔ کارخانۂ قدرت میں کوئی شے بے رنگ نہیں ہے۔ پانی کا بھی رنگ ہے جسے مادی شعور بے رنگ کہتا ہے۔ بے رنگی مظاہرہ کرتی ہے تو اتنے رنگ اور ان کی اقسام سامنے آتی ہیں کہ شمار مشکل ہے۔ نکتۂ

فکر یہ ہے کہ اگر وہ رنگ تھے تو پھر ظاہر ہونے سے پہلے کہاں چھپے ہوئے تھے؟

''انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرلے، بے شک ہم نے پانی برسایا پھر ہم نے
زمین کو چیرا پھاڑا پھر ہم نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری۔'' (عبس:۲۴-۲۸)

عظیمی صاحب سمندر کو کوزہ میں بند کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پانی باطن میں نوع اور ظاہر میں رنگ ہے۔
(سید اسد علی)

کائنات آسمانوں اور زمین کا مجموعہ ہے۔ آسمان اطلاع کا سورس ہے۔ زمین اطلاع وصول کر کے مظاہرہ کرتی ہے۔ نزول کے بعد اطلاع صعود کرتی ہے۔ جیسے پانی، بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔

پانی نزول کرتا ہے تو دریا، تالاب، سمندر، چشموں اور آبشاروں کا حصہ بن جاتا ہے۔ کہیں ذخائر کی شکل میں محفوظ ہوتا ہے اور کہیں انسان، حیوانات، نباتات، جمادات کی زندگی بنتا ہے۔ پانی اطلاع ہے اور فارمولوں سے مرکب ہے۔ پہاڑ، درخت، اناج، پھل، پھول وغیرہ پانی کا مظہر ہیں۔

پانی کا ظاہری رخ، ہائیڈروجن اور آکسیجن سے مرکب ہے۔ یہ عناصر زمین کے خوابیدہ اجزا کو بیدار کر دیتے ہیں۔ پانی بیج میں داخل ہوتا ہے تو بیج میں تغیر شروع ہو جاتا ہے۔ بیج ٹوٹ کر تحلیل ہوتا ہے، ننھی کونپل نمودار ہوتی ہے، کونپل میں شاخیں نظر آتی ہیں۔ جڑوں کے ذریعے پانی کی مسلسل ترسیل اور فضا کے عناصر کی آمیزش ہوتی ہے جس سے مختلف اقسام کی نشوونما ہوتی ہے۔ تمام غذائی عناصر قدرت نے پانی میں جمع کر دیئے ہیں۔

پانی کی صفات کا مظاہرہ، رنگ اور ثقل کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہر رنگ کا ذائقہ، خوش بو، غذائیت اور مقداریں الگ ہیں۔ پانی کا باطن روشنی ہے۔ روشنی نزول وصعود کے دائرے میں سفر کرتی ہے۔ روشنی مفہوم رکھتی ہے۔ اس میں تصور اور خدوخال ہیں۔ درحقیقت اطلاعات کے خفیہ کوڈز روشنی میں محفوظ ہیں۔ (زاہدہ تبسم)

سرورق پر غوروفکر سے یہ سمجھ میں آیا کہ دنیا میں آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے اور عرفان کا راستہ ایثار اور مخلوق کی خدمت ہے۔ سبزیاں، پھل، پودے جب اگتے ہیں تو دوسروں کے کام آتے ہیں۔ ان سب میں بنیادی عنصر پانی ہے۔ پانی کے اندر وسعت ہے، اپنی نفی کرتا ہے، پیاس بجھاتا ہے۔ تفکر نے متوجہ کیا کہ جو چیز یہاں موجود ہے وہ کہیں سے ظاہر ہوئی۔ ظاہر وغیب سے واقف ہونا، زندگی ہے۔ (عدنان نذیر)

کوکب شاہ عالم

قدرتی کیپسول

موسمِ سرما خشک میووں (ڈرائی فروٹ) کی بہار لے کر آتا ہے۔خشک میووں میں چکنائی اور حرارے زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔کھانے میں اعتدال ہوتو فائدہ مند ہیں۔افادیت کے پیش نظر ماہرین انہیں قدرتی کیپسول کہتے ہیں۔

حالیہ تحقیقات بتاتی ہیں کہ 10 گرام ڈرائی فروٹ کا روزانہ استعمال دل کے امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈرائی فروٹ کا باقاعدہ استعمال ان بیماریوں سے دور رکھتا ہے جو اموات کا سبب بنتی ہیں۔

کاجو خوش ذائقہ ہے اور گری دار میووں میں بچوں اور بڑوں میں یکساں پسند کیا جاتا ہے۔کاجو کی برفی، مٹھائیوں میں مہنگی اور خوش ذائقہ مٹھائی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ کاجو کا تعلق برازیل سے ہے۔اسے پرتگالی سولھویں صدی میں ہندوستان لائے۔

دس سے بارہ میٹر بلند کاجو کا درخت، زرد مائل رنگ کا گونداور شاخوں سے چار انگشت ٹوپی جیسی کلی نکلتی ہے۔اس میں مخروطی شکل کا پھل لگتا ہے۔سرا پتلا اور بے نوک، چھلکا نرم، اوپر سے سرخ یا زردی مائل، تیز خوش بو اور مغز میٹھا ہوتا ہے۔

کاجو میں شامل چکنائی کو ''اچھی چکنائی'' سمجھا جاتا ہے یہ صحت بخش خشک میوہ ہے۔ قلب سے مربوط شریانوں کے امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔کولیسٹرول کی سطح میں کمی کرتا ہے۔

کاجو میں فولاد سے جسم میں خون کی کمی دور ہوتی ہے۔کاجو میں زنک جسم کی افزائش اور مدافعتی نظام کے

لیے مفید ہے۔ اس میں موجود کیلشیم ، تانبا اور مینگنیز ہڈیوں اور عضلات کو مضبوط بناتے ہیں۔ کاجو فاسفورس، زنک، کاپر وٹامن بی اور فولیٹ کے حصول کا ذریعہ ہے۔سردی کے اثرات کو کم کرتا ہے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ کاجو اور دیگر گری دار میووں کے استعمال سے وزن کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔سو گرام

اوقات میں بات چیت کے دوران وہ حضرت صاحب کا ذکر ضرور کرتا اور میں اس بارے میں مزید پوچھنے سے اجتناب کرتا۔

درد کی شدت کم ہوگئی تھی لیکن زخم گہرے اور کھلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کیڑے پڑنے کا اندیشہ تھا۔ ایک روز صبح اٹھا تو جسم پر کیڑے نظر آئے۔ پریشان ہوگیا۔ کیڑے پورے وجود کو ڈھانپ چکے تھے۔ طبیعت شدید جھنجھلاہٹ اور ہذیان کا شکار تھی۔

نزدیک بڑے سیاہ گول پتھر پر بیٹھ گیا۔ سمجھ نہیں آیا کہ کروں تو کیا کروں۔ ذہن بار بار چنکھا بننے کے خیال پر مرکوز ہوتا کہ میرے لئے کیڑوں سے نجات کی یہ آخری تدبیر تھی۔ خیال نے تکرار کی تو نظر آسمانی بروج پر جم گئی۔

قمر کسر النور (چاند) منزل نعائم یا پوربا کھاؤ میں دمک رہا تھا۔ یہ منزل قمری 12 درجہ، 20 دقیقہ برج قوس سے 26 درجہ 40 دقیقہ برج قوس تک پھیلی ہوئی ہے۔ بابا سونیری کی بتائی ہوئی چالیس حافظہ کی سطح پر روشن ہوگئی تھیں۔ کمی تھی تو فقط بخور کی جس کے دھوئیں میں عمل کرنا تھا۔ بخور کی تیاری کے لئے مشک، لوبان، چنبیلی کی جڑ، سرخ صندل اور بادام کا چھلکا ملنا جناتی ماحول میں ناممکن تھا۔ لہٰذا بخور کے بغیر عمل کی ابتدا کی۔

جناتی فضا میں گھڑگھڑاہٹ کا احساس شدت اختیار کر گیا۔ لگ رہا تھا، زمین پھٹے گی اور آسمان سر پر آگرے گا— مگر یہ میرے محسوسات تھے۔ باہر کی فضا معمول کے مطابق تھی۔ تھوڑی دیر بعد گھڑگھڑاہٹ معمول پر آگئی۔

میں نے آنکھیں کھولیں تو پوتنا میرے سامنے کھڑی ڈنڈوت کر رہی تھی، ”مہاراج کی آگیا کا پالن میرا دھرم ہے۔“

اس کی نظریں جسم پر کلبلاتے کیڑوں پر جمی ہوئی تھیں۔

میں جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔ چنکھا بنتے ہی غضب ناک ہوگیا۔ نگاہ میں وسعت پیدا ہوئی اور آنکھوں سے شعلے نکلتے محسوس ہوئے۔ ارادہ کی قوت سے کیڑوں کو ختم کرتا، وہ پھر پیدا ہوجاتے۔ پوتنا خوف زدہ ہوکر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

کیا تیرے پاس کوئی اوپائے ہے—؟

غصہ سے دھاڑا۔

پوتنا لرز گئی۔ اس نے ہاتھ اوپر کئے تو نہایت خوب صورت طشت سامنے آیا۔ طشت پر سڑے ہوئے گوشت کے پارچے رکھے تھے جن سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ مشکل سے ابکائی روکی ورنہ قے ہوجاتی۔

غصہ میں زور سے طشت پر ہاتھ مارا تو پوتنا خوف زدہ ہوکر قدموں میں گر گئی۔ کیڑوں کو نظرانداز کرتے ہوئے سر میرے قدموں پر رکھ دیا۔

”مہاراج شما کر دیں“ کی تکرار کے ساتھ وہ اپنا سر

میرے پیروں سے رگڑ رہی تھی۔

مجھ میں فرعون چنکھا کی صورت گھسا ہوا تھا۔ پیروں سے دھکا دے کر خود سے دور کیا ، دفع ہو جا میری نظروں سے — اور وہ غائب ہوگئی۔

باظناریوں نے کیڑوں کی صورت ایسی چوٹ پہنچائی تھی کہ میں بے بس ہوگیا تھا۔ تمام تر طاقت کے باوجود کیڑے میرے وجود کو چاٹ رہے تھے اور میں ان سے جان چھڑانے سے قاصر تھا۔

سڑا ہوا انسانی گوشت ! نہیں ، ہرگز نہیں۔ کسی قیمت پر نہیں ! یہ آواز کیسی تھی جو وجود کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر اوپر آ گئی تھی۔

میں حمورابی — سحر قلبی ، سحر علوی ، سحر سفلی کے ساتھ طلسمات کا ماہر — اپنے وقت کا بڑا جادوگر کسی بھی صورت میں غلیظ گوشت کھانے سے انکاری تھا لیکن اس وقت بے بس ہوگیا تھا۔

میں اتنا طاقت ور ہو چکا تھا کہ باظناریوں کے قبیلہ سے تن تنہا ٹکرا جاتا مگر موجودہ حالت میں بے بس تھا۔ جو عملیات سیکھے ، وہ سب مجھے کیڑوں سے نجات دلانے سے قاصر تھے۔

کئی بار ذہن میں آیا کہ اندھیروں کی اس سرزمین سے فرار ہو جاؤں مگر اپنے علم میں ماہر ہونے کے باوجود اس وقت میں بے اختیار تھا۔ خود کو بہت کچھ سمجھنے والے لوگوں کی زندگی میں ایسا موڑ آتا ہے جب سب کچھ پاس ہونے کے باوجود وہ خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔ اس وقت احساس ہوتا ہے آدمی کتنا با اختیار اور کس حد تک بے اختیار ہے۔ ایسی بند گلی میں تھا کہ آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

غصہ کی آگ وجود کو جلا رہی تھی۔ زور سے اچھلتا اور جسم سے جھڑ جانے والے کیڑوں کو پیروں سے مسل دیتا۔

نظر جسم پر پڑتی تو کلبلاتے کیڑے اور بدبو کے بھبکے ہر خیال کا رخ اس نکتہ کی طرف موڑ دیتے۔

اس وقت مسئلہ اس فضا سے نکلنا نہیں بلکہ کیڑوں سے نجات ہے — مگر نجات کا طریقہ مجھے قبول نہیں — میں کیا کروں — میں کیا کروں — ! ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔

کاش بابا سونیری نے سڑی ہوئی اشیا کھانے کی تربیت دی ہوتی تو میں کرب سے دوچار نہ ہوتا۔ سر جھکائے ، پیر پھیلائے شدید ذہنی دباؤ کا شکار گم صم بیٹھا زمین کو گھور رہا تھا کہ پیچھے سے ظربوق کی نرم اور یقین سے بھرپور آواز سماعت سے ٹکرائی۔

حمورابی میرے ساتھ چلو ، میں نے حضرت صاحب سے تمہارے متعلق بات کی ہے۔ وہ تمہیں کیڑوں سے نجات دلا دیں گے۔

کیوں آئے ہو تم ! میری بے بسی کا تماشہ دیکھنے؟

نہیں ! تمہیں بے بسی سے نجات دلانے۔

کون دلائے گا نجات ، کون دلائے گا نجات — !

سڑا ہوا انسانی گوشت مجھے قبول نہیں ، جاؤ کہہ دو اپنے حضرت صاحب سے۔

انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ۔ ظربوق نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیسے مان لوں کہ ان کے پاس کیڑوں کا علاج ہے۔ چیختے ہوئے بولا۔

یہ کیڑے تو جسم کے باہر ہیں، ان کے پاس تو جسم کے اندر پڑ جانے والے کیڑوں کا بھی علاج ہے۔

ظربوق نے میری ذہنی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔

یہ وہ کیڑے نہیں ظربوق جن کا علاج تیرے حضرت صاحب کے پاس ہو۔ جا چلا جا، تنہا چھوڑ دے۔ ابھی تو بچہ ہے۔ تو کیا جانے میں کون ہوں—!

تم کون سا بوڑھے ہو۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میرے محسن ہو اور اس وقت مشکل میں ہو۔ تمہاری مشکل کا حل میرے حضرت صاحب کے پاس ہے۔

اچھا تو پھر ٹھیک ہے— یہ کہتے ہی میں نے ہاتھ کو مخصوص حرکت دے کر ظربوق کی طرف جھٹکا۔

ظربوق کے دونوں بازو بے جان ہو کر لٹک گئے۔ وہ حیرت اور خوف کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ گھورتے ہوئے چیخا، جمورابی یہ تم نے کیا کیا میرے ساتھ۔ وہ خوف زدہ ہوگیا۔

معاف کرنا دوست لیکن اپنے حضرت صاحب کے پاس جاؤ اور بازوؤں کا علاج کرواؤ۔ اگر انہوں نے تمہارے بازو ٹھیک کر دیئے تو میں علاج کے لئے ان کے پاس ضرور جاؤں گا۔ ورنہ کل آ جانا، میں تمہارے بازو ٹھیک کر دوں گا۔

ظربوق کے لئے میرا یہ روپ حیران کن تھا۔ لٹکے ہوئے بازوؤں کو گم صم انداز میں دیکھ کر وہ پلٹ گیا۔

میں ایک مرتبہ پھر تنہا تھا۔ یہ ایسا علاقہ تھا کہ جہاں جگہ جگہ عظیم الجثہ جناتی درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ چہار سو اندھیروں سے مغلوب ملگجی روشنی کا راج تھا۔

تھکے قدموں سے چلتا ہوا ایک درخت کے تنے سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ جسم تھکن سے چور اور طبیعت کیڑوں کی کلبلاہٹ سے بیزار تھی۔ ایک طرف بھوک نے بے حال کر دیا تھا اور دوسری طرف ذہنی دباؤ نڈھال کیے ہوئے تھا۔ اندر جنگ جاری تھی۔

بابا سونیری شدت سے یاد آیا۔ اس کے ساتھ زندگی بڑی بے فکری سے گزری تھی۔ سوچوں میں گم تھا کہ نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔ نیند کی وادی میں اترا تو خوابوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک خواب ختم ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔

خواب علم نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ خواب زندگی کے ساتھ اس طرح منسلک ہے جیسے خیال۔ زندگی خیال کے تابع ہے اور خواب نصف زندگی ہے۔ ہر عمل کا پہلے خیال آتا ہے۔ صبح بیداری سے رات کو

سونے تک شعور حواس کے مادی رخ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور خیالات کو طرزِ فکر کے مطابق معنی پہناتا ہے۔ بھوک مٹانے کا خیال آتا ہے تو کوئی حلال چیز کھاتا ہے اور کوئی حرام کھانے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ دولت کمانے کا خیال آتا ہے تو کوئی لوگوں کی جیبیں کاٹتا ہے اور کوئی محنت مزدوری کو شعار بناتا ہے۔گویا خیال کی تکمیل طرزِ فکر کی مرہون منت ہے۔

سوال یہ ہے کہ خیال کیا ہے، کہاں سے آتا ہے اور کیوں آتا ہے — ؟

خیال دراصل اطلاعات ہیں۔ اطلاعات کے تصویر خانے کہا جائے تو سمجھنا آسان ہوگا۔اطلاعات کا سورس یا منبع لازمانیت ہے۔اطلاعات کی ترسیل کا عمل نیند اور بیداری دونوں میں جاری رہتا ہے۔ بیداری میں ہم اسے خیال اور نیند کی دنیا میں خواب کہتے ہیں۔

طویل عرصہ کے بعد والدہ صاحبہ کو خواب میں دیکھا۔ میں گہری اندھیری کھائی میں چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ ذرا سی حرکت کرتا تو لڑھک کر مزید گہرائی میں چلا جاتا۔کھائی کے کنارے پر والدہ صاحبہ کسی صاحب کی منت سماجت کرتی ہیں۔

وہ صاحب ایک رسی نکال کر یہ کہتے ہوئے میری طرف اچھال دیتے ہیں کہ میرے پاس اس سے زیادہ لمبی رسی نہیں ہے۔

رسی نزدیک پہنچتی ہے مگر میں خوف زدہ تھا کہ اگر ذرا سی حرکت کی تو مزید گہرائی میں چلا جاؤں گا۔

والدہ صاحبہ نے زور سے آواز دی —

رسی پکڑلو نوید عالم! رسی پکڑلو!

میں ہڑبڑا کر نیند سے اٹھ گیا۔

میں کون ہوں — ؟

میں نوید عالم نہیں حمورابی ہوں!

نہیں، نہیں میں نوید عالم ہوں۔

ذہن منتشر تھا مگر والدہ کو خواب میں دیکھ کر ان جانی طمانیت کا احساس ہوا۔توجہ کیڑوں اور زخموں سے ہٹ گئی۔جتنی دیر والدہ کا خیال رہا، میں پرسکون تھا۔ اتنے عرصہ بعد خواب میں ان کو دیکھ کر دل بھر آیا۔

آنسو — جن سے میں ناآشنا ہو چکا تھا بہہ کر گالوں پر آگئے تھے، چہرہ بھیگ چکا تھا۔ماں کو دیکھ کر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

محرومیِ دوراں کی جگر سوز فضا میں
بن تیرے میری ہستی فقط وہم و گماں ہے

نہ جانے کب تک آنسو بہاتا رہا۔

دور کہیں سے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔آواز رفتہ رفتہ نزدیک آرہی تھی۔

وہ ظربوق تھا لیکن — وہ اکیلا نہیں تھا۔

(قسط:۲۰)

عظیمی

چاند کی کرنوں سے ــــ

گھنے اور لمبے بالوں کی نشوونما

45 سال سے خواتین کا پسندیدہ

روغن گلوسبز

کراچی	021-36039157	فیصل آباد	041-8540132	پشاور	03219110156
حیدرآباد	0222781798	لاہور	03224112737	مانسہرہ	03005621447
میرپورخاص	03133508543	راولپنڈی	051-5169242	مظفرآباد	05822446661
ڈگری	03453700144	اٹک	03135168800	میرپور	03455701558
ملتان	03006338192	ہری پور	03135914147		

سونے کے سکّے

مغل بادشاہ کے ۹ رتن تھے۔ رتن — ہیرے کو کہتے ہیں۔ دانائی کی وجہ سے وہ نو رتن کہلائے۔ نو رتنوں میں ایک رتن بیربل عقل مند، سمجھ دار اور ہنس مکھ تھا۔ ہر مسئلہ کا حل اس کے پاس تھا۔ کوئی ایسا مسئلہ آتا یا بادشاہ ایسا سوال پوچھ لیتا جس کا جواب درباریوں کے پاس نہ ہوتا تو سب بیربل کی طرف دیکھتے — بیربل سب کو لاجواب کر دیتا۔

ایک روز بادشاہ باغ میں سیر کر رہا تھا۔ دیکھا کہ چڑیاں پانی پینے آئی ہیں۔ وہ پانی پی کر اڑیں تو تھوڑی دیر بعد درختوں میں سے ایک اور چڑیوں کا جھنڈ پانی پینے اترا۔

بادشاہ کے ذہن میں سوال آیا۔

بیربل سے پوچھا کہ پورے ہندوستان میں کتنی چڑیاں ہیں — ؟

بیربل نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب دیا، بادشاہ سلامت! ہندوستان میں تیس ہزار چار سو ساٹھ چڑیاں ہیں۔

بادشاہ نے کہا، زیادہ ہوئیں تو — ؟

اعتماد سے کہا، وہ پڑوسی ملک سے آئی ہوں گی۔

اکبر نے پوچھا، تعداد اس سے کم ہوئی پھر — ؟

کہا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہندوستانی چڑیاں پڑوسی ملکوں کی سیر کو گئی ہیں۔

بادشاہ مسکرا دیا۔

پیارے بچو! اللہ کی یہ دنیا بہت — بہت بڑی ہے۔ دنیا میں کتنی مخلوقات ہیں، گننا ممکن نہیں۔ کیا آپ پرندے گن سکتے ہیں — ؟

بادشاہ بیربل کی بہت تعریف کرتا تھا۔ درباری حسد کرنے لگے۔ ایک درباری نے جو بادشاہ کا رشتہ دار تھا، مشورہ دیا کہ بیربل کو برطرف کر کے اسے وزارت دی جائے۔ بتایا کہ وہ بیربل سے بہتر ہے اور سنجیدہ طبیعت رکھتا ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ وہ اس معاملہ پر غور کرے گا۔

اس سے پہلے کہ بادشاہ فیصلہ لیتا، بات بیربل کے کانوں تک پہنچی۔ سوچا کہ گھر کا معاملہ ہے، پتہ نہیں بادشاہ کیا فیصلہ لیں، خود ہی استعفیٰ دے دیا۔

استعفیٰ منظور ہوا اور بادشاہ کے رشتہ دار کو وزیر بنا دیا گیا۔

نئے وزیر کو آزمانے کے لئے بادشاہ نے تین سو سونے کے سکّے دیئے اور ہدایت کی،

''ان سکّوں کو اس طرح خرچ کرو کہ سو اس سکّے دنیا میں واپس مل جائیں، سو دوسری دنیا میں اور باقی سکّے ، نہ یہاں نہ وہاں ۔''

وزیر الجھن میں پڑ گیا۔ نیندیں اڑ گئیں۔ ذہنی دباؤ بڑھا تو بیگم سے کہا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ بیگم نے مشورہ دیا کہ بیربل سے بات کرو۔ وزیر بیربل کے پاس گیا۔ بیربل اطمینان سے بولا، معاملہ سنبھال لوں گا، ایسا کرو کہ سکّے مجھے دے دو۔

بیربل سکّوں کی بوری لے کر شہر میں نکلا۔ وہاں کے معروف سنار کے بیٹے کی بارات جا رہی تھی ۔ سنار کے پاس گیا اور سو سکّے دیتے ہوئے بتایا کہ بادشاہ نے تحفہ بھیجا ہے، ساتھ میں نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔

سنار بادشاہ کی عنایت پر خوش ہوا۔ مہنگے تحائف اور سونے کے سکّوں کا ایک تھیلا بیربل کو دیتے ہوئے کہا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے ان کا شکریہ ادا کر دینا۔

سنار سے ملاقات کے بعد بیربل شہر کے پس ماندہ علاقہ میں گیا جہاں غریب لوگ رہتے تھے ۔سو سکّوں سے کپڑے اور راشن خرید کر لوگوں میں بادشاہ کے نام پر تقسیم کئے۔

پھر مرکزی شہر میں آ کر گانوں کی محفل کا اہتمام کیا اور بقیہ سو سکّے خرچ کر دیئے۔ موج مستی کے بعد گھر آ کر سو گیا۔

اگلے روز دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو کام بادشاہ نے نئے وزیر کو دیا تھا، میں نے انجام

دے دیا ہے۔

بادشاہ جاننا چاہتا تھا کہ سکّے خرچ کر کے شرائط کس طرح پوری کی گئیں۔

بیربل نے بتایا، سو سکّے آپ کی طرف سے سنار کو تحفہ میں دیئے۔ اس کے بیٹے کی شادی تھی۔ سنار نے تحائف کے ساتھ سکّوں کا ایک تھیلا دیا۔ اس طرح سو سکے اسی دنیا میں مل گئے۔ اس کے بعد کپڑے اور کھانا خرید کر غریبوں میں تقسیم کیا — اجر آپ کو اگلے جہان میں ملے گا۔ بقایا سو سکوں سے گانے بجانے کی تقریب کا اہتمام کیا۔ وہ آپ کو اِس جہاں میں ملیں گے نہ اُس جہاں میں۔

بادشاہ نے داد دی — بہت خوب!

نئے وزیر کو غلطی کا احساس ہوا اور معافی کی درخواست کی۔ بیربل کو عہدہ پر بحال کر دیا گیا۔

ایک سرد شام جھیل کنارے چہل قدمی کے دوران بیربل بادشاہ کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ خیال آیا کہ آدمی روپے پیسے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔ عالی جاہ سے ذکر کیا۔

بادشاہ نے اپنا ہاتھ جھیل کے ٹھنڈے پانی میں ڈال کر فوراً نکال لیا اور بولا — مجھے نہیں لگتا کہ کوئی آدمی پیسوں کے لئے جھیل کے ٹھنڈے پانی میں کھڑا ہو سکتا ہے۔

بیربل بولا: یقین ہے، ایسا شخص مل جائے گا۔

بادشاہ نے کہا کہ اگر ایسا شخص مل جائے تو ہزار سونے کے سکّے انعام دوں گا۔

ایک غریب آدمی نے چیلنج قبول کر لیا۔

رات کو جھیل میں اترا۔ دربانوں نے نگرانی کی۔

صبح ہوئی — اس شخص کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا اور بتایا کہ یہ پوری رات ایک منٹ کے لئے بھی پانی سے باہر نہیں آیا۔

بادشاہ نے تعجب سے دیکھا۔

غریب آدمی نے عرض کیا کہ دربانوں نے سردی سے بچنے کے لئے جھیل سے دور آگ روشن کی تھی۔ میں نے ٹھنڈے پانی سے ذہن ہٹا کر توجہ آگ پر مرکوز کر دی — ذہن سردی سے ہٹ گیا ورنہ میں ٹھٹھر کر مر جاتا۔

بادشاہ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے لئے کوئی انعام نہیں، ٹھنڈ سے بچنے کے لئے تم نے دربانوں کے جلائے گئے الاؤ کا سہارا لیا۔

غریب آدمی نے بیربل سے مدد لی۔

اگلے روز بیربل دربار میں غیر حاضر تھا۔ بادشاہ

نے موجود نہ پایا تو غلام کو گھر بھیجا۔

غلام نے خبر دی کہ بیربل کہتا ہے کہ بادشاہ سلامت سے عرض کریں کہ میں کھچڑی پکا رہا ہوں۔ جب تک کھچڑی تیار نہیں ہوگی، میرا آنا ممکن نہیں۔

بادشاہ کو عذر ناگوار گزرا لیکن خاموش رہا۔

گھنٹے گزر گئے، بیربل نہیں آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سواری کا انتظام کرو۔ دیکھنا چاہتا ہوں یہ کیسی کھچڑی ہے جو اتنی دیر میں بھی نہیں پکی۔

بیربل کے گھر پہنچا — وہ زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ قریب چھوٹی لکڑیاں جل رہی تھیں اور چھت سے ایک دیگچی لٹکی ہوئی تھی جو زمین سے آٹھ فٹ اوپر تھی۔ بادشاہ کو ہنسی آ گئی۔

بیربل ادب سے کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ بولا، دیگچی آگ سے اتنی دور ہے، کھچڑی کیسے پکے گی — ؟

بیربل بولا، بادشاہ سلامت! جس طرح اس غریب آدمی کو میلوں دور سے آگ کی تپش محسوس ہوئی تھی، اس طرح کھچڑی بھی پک جائے گی۔

بادشاہ کو غلطی کا احساس ہوا۔ محل پہنچا اور غریب آدمی کو انعام و اکرام سے نوازا۔

سوچیں — بوجھیں تو جانیں

۱) میں ایک پھل ہوں کھٹا میٹھا
بچے شوق سے کھاتے ہیں
آخری دونوں حروف مٹا کر
سبزی مجھے بناتے ہیں

۲) دھوپ کبھی نہ اسے سکھائے
سوکھے تب جب سائے میں آئے

۳) لائے تھے ہم ہری ہری
بعد میں دیکھا لال پری

۴) میں کرتا ہوں دنیا بھر کی سیر
دھرتی پر نہیں رکھتا پیر
رات اندھیری میرے بغیر
جلدی بتاؤ میں ہوں کون؟

۵) دنیا کے ایک ایسے شہر کا نام بتائیں
جسے الٹا لکھنے سے پرندہ کا نام بنتا ہے؟

جوابات:

۱۔ آلوچہ
۲۔ پسینہ
۳۔ مہندی
۴۔ چاند
۵۔ روم

ہوئے بولا، جال سے نکلنے کے بعد اگر تم اڑ گئیں تو؟

چڑیا بولی، جھوٹ اور دھوکا ہماری دنیا میں نہیں۔

چڑی مار نے کچھ دیر سوچا اور پھر جال کھول دیا۔

چڑیا پھدک کر اس کے ہاتھ پر آ بیٹھی اور سریلی آواز میں کہنے لگی — غور سے سنو!

★ ہر ایک کی بات کا یقین نہ کرنا۔ یہ کہہ کر چڑیا اڑی اور چوں چوں کرتی دیوار پر جا بیٹھی۔

دیوار پر بیٹھ کر دوسری نصیحت یہ کی —

★ گزرے ہوئے وقت کا افسوس نہ کرنا

★ گزری ہوئی مصیبت کا غم نہ کرنا

★ اور جو نہ ملے اس کا غم بالکل نہ کرنا۔

چڑی مار بولا، دوسری نصیحت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنا کیا چاہتی ہو۔ چڑیا نے کہا، میرے پیٹ میں پانچ تولہ کا قیمتی ہیرا ہے کہ اس جیسا ہیرا پوری دنیا میں نہیں۔ ہیرا مل جاتا تو مالا مال ہو جاتے۔ تمہاری نسلیں عیش کرتیں لیکن غم نہ کرو کہ یہی قسمت میں لکھا تھا۔ یہ سننا تھا کہ چڑی مار زور زور سے رونے لگا۔ چڑیا نے افسوس سے سر ہلایا اور بولی، بہت بے وقوف آدمی ہو۔ ابھی نصیحت کی تھی کہ گزرے ہوئے وقت کا غم نہ کرنا۔ عقل مند حالات سے سبق سیکھتا ہے کہ آئندہ صحیح فیصلہ کر سکے۔ میرے پردادا بالکل صحیح کہتے تھے کہ آدمی

نصیحتوں پر کان نہیں دھرتا! ایسا لگتا ہے کہ تم نے نصیحت صحیح سے سمجھی نہیں۔ پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ ناممکن بات پر ہرگز اعتبار مت کرنا۔ ذرا میرے ننھے وجود پر غور تو کرو۔ میں ننھی سی جان، وزن پانچ تولہ کیا — آدھا چھٹانک بھی نہیں ہوگا۔ بھلا پانچ تولہ ہیرا میرے پیٹ میں کہاں سے آئے گا؟

یہ سن کر چڑی مار نے رونا بند کیا اور حیرت سے چڑیا کو دیکھنے لگا۔ اس نے کہا — اے ننھی عقل مند اور نازک چڑیا! مہربانی کر کے وعدہ کے مطابق تیسری نصیحت بھی کر دو۔

چڑیا نے ٹھنڈی آہ بھری اور بولی،

اے بے وقوف آدمی! تم نے میری دو نصیحتوں پر کون سا عمل کیا ہے جو تیسری بھی کروں۔ تیسری نصیحت اعلیٰ درجہ کی ہے جو تم جیسے آدمی کی سمجھ میں نہیں آئے گی — اور وہ اڑ گئی۔

خواب تعبیر اور مشورہ

پہاڑ کی چوٹی

یُسرا، کراچی۔ اونچے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کرتی ہوں مگر چڑھ نہیں پاتی۔ نیچے گرتی ہوں تو ایک چیل مجھے اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا دیتی ہے۔ مڑ کر دیکھا کہ ایک ڈائنوسار میری طرف آ رہا ہے اور آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: منفی خیالات نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ اگر ان خیالات کو نہ چھوڑا گیا تو دماغ یک سوئی سے محروم ہو جائے گا۔

باادب، بانصیب

ت، م، کراچی۔ ایک سہیلی ہاتھ میں قلم لیے رجسٹر میں دیکھ کر میرا نام دہراتی ہے اور زور دیتی ہے کہ یہی تمہارا نام ہے۔ پھر دیکھا ایک سالہ کزن کھو گیا ہے۔ چچی کے پاس آ کر روتے ہوئے اس کے گم ہونے کی اطلاع دیتی ہوں۔ اسی وقت لفٹ رکتی ہے اور دروازہ کھلتا ہے۔ چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ وہ دیکھو! وہ رہا لفٹ میں منّا۔ اس طرف جاتی ہوں تو لفٹ نیچے چلی جاتی ہے۔ اس قدر روتی ہوں کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ بھائی اور میں منّے کو سڑک پر ڈھونڈ رہے ہیں۔

پھر دیکھا کہ منّا ایک خاتون کے ساتھ آ رہا ہے۔ بھاگ کر گلے لگاتی ہوں۔ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہیں۔ شکر اور خوشی سے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ کہتی ہوں کہ اللہ میاں آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آس پاس موجود لوگ منّے کے ملنے کی مبارک باد دیتے ہیں۔

تعبیر: آپ کو بتایا گیا ہے کہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا جِلا بخشتا ہے۔ اپنے بڑوں اور چھوٹوں سے سلام میں پہل کریں۔ بڑوں کے سامنے سر جھکائیں اور چھوٹوں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔ انشاء اللہ زندگی کام یابی سے ہم کنار ہوگی۔

دو نومولود بچے

سمیرہ، کراچی۔ دیکھا کہ ایک مزار پر دودھ پیتے دو بچے لیٹے ہیں۔ سامنے اسکرین ہے۔ دونوں بچوں کو گود میں اٹھا لیتی ہوں۔

تعبیر: خواب کی تعبیر ضروری نہیں کہ فوراً پوری ہو جائے۔ اس میں وقت کی پابندی نہیں اس لئے کہ خواب کی دنیا میں اسپیس ہونے کے باوجود شعور محسوس نہیں کرتا جب کہ لاشعور فاصلہ سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کام یابی عطا فرمائے کہ صاحبِ خواب اپنے گھر کی ہوں اور خواب کی تعبیر پوری ہو— آمین۔

چار حصے عمر

زہرا، قلندر شعور اکیڈمی۔ حیدرآباد۔ دیکھا کہ مرحوم والد انتقال کر گئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ والد صاحب دھیمی آواز میں کلاس کی طرف جانے سے منع کر رہے ہیں۔ شاپنگ بیگ میں دودھ لیے گھر سے باہر جاتی ہوں جہاں کالی بلی ساتھ جانا چاہتی ہے۔ بلی کی نظریں دودھ پر ہیں۔

تعبیر: خواب میں دودھ دیکھنا، گھر سے باہر کالی بلی کا دیکھنا اور بلی سے دودھ کو بچانا، خود کو گھر سے باہر دیکھنا اور سفر پورا کئے بغیر واپس آنا — یہ سب ایسے اشارات ہیں جو جذبات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ جذبات کا عمل دخل عمر کے چار حصوں میں ہوتا ہے۔ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ چڑھتی جوانی میں جذبات کا ہجوم ہوتا ہے جس سے جوان بچے اور بچیاں نا صرف واقف بلکہ متاثر ہوتے ہیں۔

وقت

شازیہ تبسم، پاک پتن۔ تقریباً دس سال سے ایک خواب دیکھ رہی ہوں کہ کہیں جا رہی ہوں لیکن پاؤں میں چپل یا جوتا نہیں ہے، سہیلی ساتھ ہوتی ہے، کبھی فیملی کے ساتھ ہوتی ہوں۔ دو یا چار سہیلیاں جمع ہوتی ہیں تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں پر تبصرہ ہوتا ہے۔ زیادہ تر اس میں برائی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

تعبیر: خواب بتا رہا ہے کہ خواب دیکھنے والی بہن کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے کار مشاغل اور لایعنی گفتگو، جس میں غیبت بھی شامل ہے، کی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے خواب میں دیکھا کہ کوئی صاحب ہیں جن کی شہادت کی انگلی سے خون بہہ رہا ہے، انگلی منہ میں ہے اور خون ہونٹوں سے حلق تک بھرا ہوا ہے۔ خواب دیکھنے والا خون بہتی ہوئی انگلی منہ سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے لیکن منہ کی گرفت اتنی زیادہ ہے کہ انگلی منہ سے نہیں نکلتی۔ صورت حال ایسی بھیانک ہے کہ مسلسل خون بہہ رہا ہے، حلق تک پہنچ رہا ہے، واپس منہ سے بہہ رہا ہے۔ یہ دہشت ناک خواب دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ صبح صادق کے بعد کا وقت تھا۔ خواب دیکھنے والا اللہ کے ایک دوست سے ملنے چلا گیا۔ بزرگ مسجد میں اشراق کی نماز ادا کر رہے تھے۔ انتظار کیا، جب بزرگ تشریف لائے، سلام و آداب کے ساتھ عرض کیا، حضرت صاحب میں نے رات خواب دیکھا ہے اور بہت زیادہ پریشان اور دل گرفتہ ہوں۔ بزرگ نے خواب سنا، تھوڑی دیر توجہ کی اور ارشاد فرمایا — یہ سب علامتیں غیبت کی ہیں، آپ غیبت کرتے ہیں۔ غیبت کرنے والا، جس کی غیبت کی جاتی ہے، اس کا خون پیتا ہے۔ دعا ہے، اللہ تعالیٰ لگائی بجھائی، غیبت اور وقت ضائع کرنے سے ہم سب کو محفوظ رکھے، آمین۔

چشمِ بصیرت

نسرین نادر، بلدیہ۔ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ کہتی ہوں، بابا جی! ہمارے پاس ایک سوزوکی ہے جو اسکول کے بچوں کو گھر سے لانے لے

جانے پر مامور ہے جسے میرا بیٹا اور شوہر چلاتے ہیں۔ بزرگ گھر تبدیل کرنے کا پوچھتے ہیں تو عرض کرتی ہوں کہ اگر گھر تبدیل کیا تو بنگلہ خریدوں گی۔

تعبیر: گھر نا کافی ہے، اس کو بدلنا ہے۔ بچوں کو پڑھانا ہے، فیسیں ادا کرنی ہیں۔ بڑی بچیوں کے رشتے نہیں آتے، اس لئے نہیں آتے کہ گھر چھوٹا ہے، بنگلہ بنانا ہے، اس لئے کہ اسٹیٹس ہوگا تو رشتے آئیں گے۔ جب ہم خود غریب ہیں، اچھے امیر رشتے ہمارے گھر کون لائے گا۔

یہ وہ خیالات ہیں جن میں آپ مسلسل گھری رہتی ہیں۔ اسٹیٹس نے زندگی بہت مشکل بنادی ہے۔ جب کہ مشاہدہ یہ ہے غریب گھرانوں میں امیر گھرانوں کی نسبت شادیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ امیر گھرانوں میں اسٹیٹس نے ایسی بے چینی پیدا کردی ہے، لگتا ہے کہ آدمی زر کا غلام بن گیا ہے۔ تجربہ یہ ہے، زر و جواہر کے ڈھیر جمع کرنے والوں کا دنیا میں اچھا انجام نہیں ہوا۔ مثالیں ہم سب کے سامنے ہیں۔ اگر سامنے نہیں ہیں تو انہیں چشمِ بصیرت کے لیے علاج کرانا چاہئے۔

اعراف کی سیر

فہمیدہ کوثر۔ خاندان کے مرحومین کو خواب میں دیکھا ہے۔ اپنے پرانے گھر میں موجود ہوں۔ والدہ محترمہ بگھی پر سوار تشریف لاتی ہیں۔ دیکھا امی کرسی پر بیٹھی ہیں جس کے سامنے تخت نما چھوٹی میز پر میں بیٹھی ہوں۔ امی کی جھولی میں چھوٹے چھوٹے کالے دانے ہیں۔ امی سے کہتی ہوں کہ میز پر سے گر جاؤں گی اور دونوں ہاتھوں سے میز کو پکڑ لیتی ہوں، اس کے ساتھ بگھی چلنا شروع ہوجاتی ہے۔ اتنے میں بڑے بھائی تشریف لائے تو میں مٹر چھیل رہی تھی۔ بھائی نے بتایا کہ ان کی چادر پر گھی لگ گیا ہے اور میری چادر مانگی۔ میں نے کہا کہ دھو کر دیتی ہوں تو کہنے لگے کہ نہیں، رہنے دو۔ وہ وہیں رہے اور ہماری گاڑی آگے چلی گئی۔ میرے ساتھ ایک بچہ بھی موجود ہے جو مضبوطی سے میری پیٹھ پکڑے بیٹھا ہے۔ امی اور دادی پریشان نظر آرہی ہیں، مجھے قریب بلاتی ہیں۔ امی ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہیں جس کے برابر میں کھائی ہے۔ میں چیخ کر بہن سے کہتی ہوں کہ امی کو پکڑو، ہم امی کو بچانے آگے بڑھتے ہیں کہ آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: آپ نے خود کو عالمِ اعراف میں دیکھا ہے۔ خواب میں والدہ کو بگھی میں بیٹھے ہوئے دیکھنا اور آپ کا ان کے ساتھ ہونا، امی اور دادی کو پریشان دیکھنا، ان کا آپ کو اپنے پاس بلانا، چادر خراب ہونا اور اسے دھونے کا ارادہ کرنا، بگھی میں بیٹھ کر والدہ کے ساتھ چلے جانا، یہ سب تشبیہات اس دنیا سے دوسری دنیا کی ہیں۔ آپ کی روح نے عالمِ اعراف کی سیر کی ہے۔

عالمِ اعراف وہ دنیا ہے جہاں مرنے کے بعد لوگ جا کر رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ آدمی کرتا ہے اس کے نقوش حافظہ میں رہتے ہیں۔

دنیاوی معاملات کے ہجوم کی وجہ سے پرانی باتیں

چھپ جاتی ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہجوم کم ہوجاتا ہے تو ماضی کے حالات و واقعات کو آدمی خواب میں دیکھ لیتا ہے۔ عالمِ اعراف بھی ایسی دنیا ہے جہاں لوگ دنیا کی طرح رہتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، خوش رہتے ہیں اور انتہائی درجہ غمگین زندگی گزارتے ہیں۔ یہ خواب کی تعبیر ہے۔

سفید رنگ

حافظ محمد میمن، کورنگی۔ میری ایک بزرگ خاتون فرماتی ہیں، تجھے معاف نہیں کروں گی۔ یہ سن کر میں زمین پر گر جاتا ہوں۔ ایک کزن کہتا ہے کہ کب مروگے۔ میں اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور سچے دل سے کلمہ طیبہ پڑھتا ہوں جس کے بعد میری روح جسم کو چھوڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔ آنکھ کھلی تو سینہ میں درد تھا اور روح کو سفید رنگ کا دیکھا جو جسم میں واپس آتی نظر آئی تو میں ڈر گیا۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتن درستی کے ساتھ خوش رکھے۔ اپنا چیک اَپ کرائیے، خاص طور سے سینہ کے امراض کا ٹیسٹ کرانا چاہئے۔

صراط مستقیم

نام شائع نہ کریں، D-4۔ **تعبیر:** اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب طرح کے لوگ ہیں، کوئی اچھائی کے راستہ پر چل رہا ہے، کوئی صراط مستقیم پر قائم نہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم لوگوں کی برائیاں کریں۔ ہر شخص کو اپنا حساب خود دینا اور اپنی قبر میں رہنا ہے۔

چھپن چھپائی

سدرہ رشید، کراچی۔ کچھ عرصہ سے خواب دیکھ رہی ہوں کہ کسی کام کو کرنا چاہتی ہوں مگر آنکھ کھلنے تک کام نہیں کر پاتی۔ کام کرنے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ آجاتی ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوتی ہوں۔ کچھ دیر بعد خواب یاد نہیں رہتا مگر یادداشت میں کام مکمل نہ ہونا موجود رہتا ہے۔ اب دیکھا کہ کام پر جانے کی کوشش کر رہی ہوں مگر کبھی چھوٹا بھائی اور کبھی امی روک لیتی ہیں۔ غرض یہ کہ آنکھ کھلنے تک کام پر نہیں جاسکی۔

تعبیر: خواب ظاہر کرتا ہے کہ کاہلی اور سستی کی بنا پر بروقت کام پورا نہیں ہوتا۔ ارادہ میں اتنی ناپختگی ہے کہ عمل کرنے سے پہلے ہی راہیں بدل جاتی ہیں اور دوسرا خیال آجاتا ہے۔ خیالات کی چھپن چھپائی سے کام پورے نہیں ہوتے۔ ارادہ دوسری بڑی سیڑھی ہے۔

۱۔ وہم، ۲۔ خیال، ۳۔ تصور، ۴۔ احساس، ۵۔ کسی بھی شے یا حالت کا وجود ۶۔ مادی وجود میں ظاہر ہونا۔

آدمی جو کچھ سوچتا ہے، سوچنے کا عمل دراصل خیال کے تابع ہے۔ جب ہم سوچتے ہیں یا کوئی خیال آتا ہے تو ہمیں چھ سیڑھیاں طے کرنا پڑتی ہیں۔ وہم، وہم کا اظہار، خیال، خیال کا اظہار، تصور، تصور کا اظہار، کسی بھی شے کے نقش ونگار، نقش ونگار سے مزین تصویر اور تصویر کا مادی وجود — اس بات کو اس طرح سمجھئے کہ اگر کسی شے کا ہلکا عکس ذہن پر نہ آئے، جس کو وہم کہا جاتا ہے تو خیال کی کارفرمائی نہیں ہوگی۔ خیال کی معنویت تصور سے ظاہر

ہوتی ہے۔ جب تصور تصویر میں تبدیل ہوتا ہے تو تصویر کو احساس ہوجاتا ہے۔ احساس کی گہری چھاپ مظہر بن جاتی ہے یعنی اصل وجود کا مادی لباس سامنے آجاتا ہے۔ کوشش کریں کہ پاک صاف رہیں، لوگوں سے اگر کوئی وعدہ کریں تو اسے پورا کریں ورنہ وعدہ کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر وعدہ ایفا نہ ہو تو بہت بڑا نقصان ہے۔ آپ کو اور والدہ صاحبہ کو چاہئے کہ کھانوں میں بطور خاص احتیاط کریں، نمک کی زیادتی شعوری ارادہ کو کم زور کرتی ہے اور حافظہ ان باتوں کو بھی بھول جاتا ہے جو ضروری ہیں۔

انشاءاللہ راستہ کھل جائے گا

لائبہ عادل، کراچی۔ چھوٹی بہن کے ساتھ کہیں جارہی ہوں۔ چلتے چلتے ایک جگہ آئی، جہاں ٹینٹ لگا ہوا ہے۔ خیال آیا، اندر مبارک پتھر (حجر اسود) رکھا ہے اور کچھ لوگ موجود ہیں۔ ہم دونوں اندر جانے لگے تو وہاں موجود گارڈ نے روک دیا۔ کسی نے کہا، ان دونوں کو جانے دو۔ ہم خوشی خوشی ٹینٹ کے اندر داخل ہوگئے تو دیکھا کہ بیچ میں پتھر رکھا ہے اور سب اسے چوم رہے ہیں۔ نم آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھی اور اس مبارک پتھر کو بوسہ دیا۔ ذہن میں نعت کے اشعار گونجنے لگے:

اسی حجر اسود کا بوسہ میں لے لوں
میں مدت سے اس آس پر جی رہی ہوں

تعبیر: خواب ظاہر کرتا ہے کہ آپ حج بیت اللہ کے

ماہنامہ قلندر شعور فروری 2017

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:............................ والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:..

ازدواجی حیثیت:..................وزن (تقریباً): ....آنکھوں کا رنگ..................

نیند کیسی آتی ہے:..................بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................. تاریخ پیدائش:..................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟..................فون نمبر..................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں جس میں دنیاوی رکاوٹ ہے۔ مبارک پتھر کے قریب جانا اور گارڈ کا روکنا، حجر اسود کو ہاتھ نہ لگنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے راستہ کھل جائے گا اور آپ عمرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہوں گی۔ باعثِ تخلیقِ کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت بھی انشاءاللہ آپ کو نصیب ہوگی۔ مجھ فقیر کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ غذا میں توازن نہیں ہے اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

خیالات کی فلم

محمد جمشید، کوٹ اڈو۔ علاقہ کی ایک معزز خاتون میرے گھر تشریف لاتی ہیں۔ تمام گھر والے اور میڈم ایسے باتیں کر رہے ہیں جیسے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ میں ان کے سامنے جانے سے شرماتا ہوں۔ خاتون چاول پکاتی ہیں اور تقسیم کرنے کے لئے امی کے سامنے رکھتی ہیں۔ امی خاتون کو چھوٹی کٹوری میں چاول دیتی ہیں تو وہ کہتی ہیں، مجھے چاول کم دیئے ہیں، امی کا جواب یاد نہیں رہا۔ پھر بڑے بھائی خاتون کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر ان کے گھر چھوڑنے چلے جاتے ہیں۔

تعبیر: خواب ذاتی معاملات اور گھریلو حالات پر مشتمل ایک فلم ہے اور کچھ نہیں۔

ملازمت یا کاروبار کا حصول

ایسی حالتوں میں جب کوششوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلے — امید بندھے اور ٹوٹ جائے، دنوں ہفتوں اور بعض اوقات سالوں دفتر کے چکر لگانے سے کوئی ملازمت نہ ملے یا کاروبار میں برکت نہ ہو تو ملازمت یا کاروبار کے حصول کے لئے یہ نقش بازو پر باندھیں یا گلے میں پہن لیں اور ہر وقت وضو بے وضو چلتے پھرتے، سوتے جاگتے **یَاحَیُّ یَاقَیُّوم** کا ورد کریں۔

اَللّٰہُ لَطِیفٌ

۷۸۶

۸ ۳۲۱	۱۱ ۳۲۴	۱۴ ۳۲۸	۱ ۳۱۴
۱۳ ۳۲۷	۲ ۳۱۵	۷ ۳۲۰	۱۲ ۳۲۵
۳ ۳۱۶	۱۶ ۳۳۰	۹ ۳۲۰	۶ ۳۱۹
۱۰ ۳۲۳	۵ ۳۱۸	۴ ۳۱۷	۱۵ ۳۲۹

بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ (بائیں جانب)

مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ (نیچے)

الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ (دائیں جانب)

کونوں میں دیئے گئے ہندسے نقش کی چال کو ظاہر کرتے ہیں، انہیں اصل تعویذ میں نہ لکھا جائے۔

5 DAYS SATISFACTION GUARANTEED

یقیناً گورا کرے!

وائٹ فلیم

بیوٹی کریم اینڈ فیس واش

- صرف چند دنوں میں رنگت کو دلکش، خوبصورت اور گورا بنائے۔
- کیل مہاسوں، چھائیوں اور داغ دھبوں کا خاتمہ کر کے جلد کو نئی تروتازگی بخشتی ہے۔
- آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا خاتمہ کر کے جلد کو قدرتی تازگی فراہم کرتی ہے۔
- جلد کی جھریوں کو ختم کر کے جواں اور خوبصورت بناتی ہے۔

Stockist
Azeemi Medical Store
Densohal Karachi 021-32439104

A Product of
White Flame Cosmetics
Marketed by
NIMSA TRADERS
0344-3311313, 0335-3311313

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری
ہے اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔ فرق یہ ہے
کہ ظاہری علوم میں علم پہلے اور عمل بعد میں ہے ـــ
باطنی علوم میں عمل کے بعد علم ہے۔

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190 0321-6696746

iii The current age is referred to as a time of unprecedented progress. An analysis of this supposed acme of progress reveals that what is meant by progress is actually an unending process of infliction of cruelty and hardship.

Progress has come to mean that poverty-stricken humanity is defrauded in the name of progress, and is left terror-stricken by having impressed upon them the intellectual superiority of others, that the resources which mother earth produces for her children are usurped and turned into deadly weapons, and that hundreds of billions of dollars are snatched from hungry and impoverished populations and used to create nuclear weapons that would bring instant death to hundreds of thousands of people.

With all of the publicity given to these barbaric actions, it is difficult for God's creation to be able to think of their own survival, or to do anything for the protection of their progeny. So gruesome is this cruelty that, to prove one's self a superpower, weapons upon weapons are amassed, which, if thrown into a pile would make a mountain. Then this volcano of a mountain is used to set brother against brother—all sons of the same parents (Adam and Eve) —because if the brothers live with love and unity, the prospect of becoming a superpower would remain a dream.

How intelligent and wise is the scientist who cannot fathom the simple reality that when a thing is created it is bound to be used? Have we ever thought as to why the superpower wants to destroy the earth's heavenly gardens, its cities brimming with life, and its fields full of crops?

It is because they do not believe that rule and sovereignty belongs to Allah alone. And we are suffering this terrible ordeal of hardship, worry and insecurity because we have accepted as our masters those who worship wealth and are full of prejudice.

Is it still not time for us to use our intelligence and wisdom, at least to the extent which Allah’s tiny creatures are capable" [Is it still not time for us] to finally obey this command of our Almighty God, Allah:

“And hold on tight to the rope of Allah, and do not create disorder.” (Quran, 3:103)

As this storm looms over us, if we do not come to our senses and do not use our natural intellect, our names will be wiped off of the face of this earth.

The Holy Quran announces this loudly and clearly:

“Surely, Allah does not change
the condition of a nation unless
they change themselves. When
Allah intends evil for a nation,
there is no way to turn it back,
and for them there is no patron
other than Him.’’ (Quran, 13:11)

ii as pretty as flowers, ran in fear. The hen opened up her wings and gathered them in her embrace.

I saw a bird much smaller than a sparrow. I saw her house as well. What a house it was! It was more like a protected castle in the shape of a dome, with separate rooms. The rooms included bedrooms. The bedrooms were arranged in a way that allowed light to enter. O yes, that house also had a swing—as children require a cradle too. The house was so strong that powerful winds and storms could do it no harm. It was air-conditioned from within. After searching for information, I found out that this house belonged to the weaverbird—a bird that can be considered the civil engineer of birds. It is a small bird with a body like that of a sparrow, and a size smaller than a sparrow's, but a mind more powerful than that of an elephant. Such is the level of intelligence and awareness of this bird, skilled in the fine arts, that if man, the inventor of the atom bomb, were to try for years, he would still not be able to build such a house.

This and many similar observations based on reality spurred the intellect and led to the conclusion that, 'Intelligence is not related to physical size, nor is intelligence the sole inheritance of human beings.'

When the streams of thought merged, and formed an ocean, the question that begged reflection was, 'What aspect is it that distinguishes man from beast?' If man has the distinction that he invents, then the process of invention also occurs among animals, both large and small.

The fact that the nature of inventions is different is a separate discussion. But the human species cannot deny the fact that, within the inventions of other species of animals, we do not find the aspect of destruction, whereas, within human inventions, the aspect of destruction predominates.

A recurring piece of information that is circulated is that, 'Man is superior among all creation.' But superiority is proven when a bird flies without external resources, whereas man, even after spending millions and billions of dollars for the pursuit of flight, is still dependant on outside resources.

With each new avenue of progress and invention that opens, a proportional increase in pain and suffering takes place. When looking at the domain of management and organization, one has no choice but to admit that the order and discipline that honey bees exhibit is far superior to the order and discipline of human affairs. Then, what superiority does man possesses which ignites such fires of conceit and arrogance within him? What distinction is it that has caused him to appear in the forms of Shaddad [An Adite/Adermite ruler, claiming divinity], Nimrod, and the Pharaohs [of Egypt]?

i

Tiny Creation

I saw a bird much smaller than a sparrow. I saw her house as well. What a house it was! It was more like a protected castle in the shape of a dome, with separate rooms.

This is from the days when I hadn't reached that stage of awareness yet where man, having baked in the kiln of intellect, turns into a human being. But one question that pervaded my thoughts had frayed my nerves: 'What is the purpose of life?' As the boundaries of reflection embraced the concepts of life and servitude to the Creator, the reality would arise that all of earth's creation shares a common bond within the system of universe. Just as the requirements of hunger and thirst move man, in the very same manner, the other creatures are subject to the same requirements. The process of birth is just as established within the ant species as it is in man. A cat and a mouse also take care of and nurture their young ones, as does a human. As far as training is concerned, each species is bound by a particular way of thinking: From the crack of dawn, a sparrow busies herself in the task of obtaining sustenance, and so does an elephant. I have seen it with my own eyes that as a cow's calf died, the cow shed tears from her big black eyes for three straight days.

There is another scene that I also cannot get out of my mind: A cow, during the process of creation, is experiencing intense “labour pains” and giving birth has become a serious ordeal. A Hindu woman, filled with maternal instincts, announced,

“The cow should be placed in a room and the door shut from the outside.”

After some time, the door was opened, and the cow was very lovingly licking her new-born calf. Her eyes shone with the same maternal love I have seen in the eyes of my own mother.

The secret revealed then was that the concept of shame and modesty is present even in cows.

Once, when a man, showing his human nature, took aim and shot down a crow, hundreds of crows appeared on the scene from nowhere and started to wail so loudly that it became impossible to hear anything else. This expression of sorrow continued till the third day of the crow’s death. As a hen paced here and there, so proudly and gracefully, with her young ones in tow, so beautiful like colourful balls of soft cotton, the sound of a hawk rudely disrupted the peace of the surroundings. The children’s mother, hen, felt the danger and spoke to her young ones as if saying, “Come quickly, hide! Your mother's embrace is your refuge.” The innocent children, with faces

Vet. Next the Pen and Scriptrum, intellect and all the dimensions and bodies came in to being.

The second half of the pure Noor had the particular specific illuminations removed from it was then split into two portions. One portion was altered to give precedence over the other portion. The first portion was specifically set aside for the creation of the souls of the Jinn and the second portion was specified for the creation of the souls of the devils.

From the first division of the Noor, the creatures that came into being from it were bound by the obligation of worship; this is because they were created from the specific pure Noor. As a result the duty of obligation became part of their nature and they remained innocent. Also because these creatures were created from pure Noor they did not reflect a shadow.

The second division had the specific qualities of radiance taken out of it but still contained one part of Noor, this portion was specified for the nation of Jinn. And hence the shadow of the Jinn did not reflect on the earth either. Nar (Fire) was dominant in them due to the lesser quantity of Noor.

Due to the dominance of Nar the creatures created from it led themselves onto a destructive path. There were instances where some of the individuals of this nation were completely void of any faith or any belief and this too was a result of the Nar being prevalent in them. Yes, there was a glimmer of Noor present in these creatures but as I have said, the Nar was more domineering in them and so the nature of destruction was more widespread in this nation.

However, these were the circumstances regarding the creation of the universe and I have narrated these very briefly. Let me skip over all other stories and events and go straight to the point where my life began. Many foolish humans think that I am an angel, and some of the most intelligent and educated people share this view too. There are some who believe that I am the 'Head Angel' and for this reason I am famous for being the teacher of the angels. It is a well-known fact that the people of the world know very little about me, as to who I am, and how I come in to the situation that I am currently in. They have very little understanding of this. Due to the limited knowledge of man and his imperfect intellect, his specific individual nature, his mischievous mind, I swear the events that I am narrating are true and correct. At the time when I was born, 124000 years had lapsed since the universe had come in to formation.

Continue…

Now tell me who can argue against this and what room is there left for dispute when the Creator has Himself told you that 'it perfectly came in to My knowledge that I be recognized and for this reason I created the universe?'. Then what right has anyone got to raise another question? Thank God that the Creator has Himself answered this question Himself.

Next remains the question as to how the universe was created. Let me tell you that I know the answer to this question very inherently. Why don't I just clearly tell you that my Lord Creator has explained this to me in various times and stages. Some of the answers were explained to me without me having to find out and some were taught by virtue of the cognition of the Lord God by the angels. I have been granted this education and thought it necessary to explain to you how the universe came into fashion before I commence with the events of my life. The situation was as follows:

There was one very special Noor (Luminous Light) which I was taught about. It was explained to me that this was the Noor of the Final Messenger and Prophet of all time. I was fortunate enough to have witnessed this Noor over and over again; this was at the time when I was arrested and taken up to the heavens.

Ah Yes! The situation was that at this moment in time there was nothing else in the universe, only the Noor of the Lord God was prevalent and illuminating in every direction. And so for His recognition the Lord God made the intention to create the universe.

The Lord God then divided this Noor into two halves. The first half contained a secret which the Lord God kept confidential only to Himself. This first half was more bright and abundant in splendour; the Supreme Creator Himself gave it the name 'Noor'.

The second half was equal in quantity but was not of the same grade as the Supreme Noor and it had specific quantities of the splendour of the first half removed from it.

The second half was again further divided into two portions. The first portion was especially converted in order to give it superiority over the second portion. This first portion was prescribed the name 'Nar' and from it the nation of Jinn was created. The remaining second portion (which contained even fewer qualities of the Supreme Noor) was set aside for the creation of the souls of the devils and the animal kingdom.

And thus the division was such that the first half was pure a Noor and had the exclusive splendour in it, it was specified for the Holy Souls, the angels and likewise creatures and the heavens etc. And so the first Soul to be created from it was that of the Last Proph-

iii question; in truth how beneficent or miserly are the two parties manifested? If by chance in the mind of the readers the devil is found out to be liar, then by the Will of God this humble servant is present, the previous honorary names and titles shall be increased for me. And if by chance this good fortunate of holiness and purity is found to be on part of honourable Sahib then in heart of hearts one should remind oneself once again as to what were we thinking of, instead of revealing to someone the sound which is echoing from within the inner self.

Yours faithfully,
Iblees

Classification

Before I commence with my autobiography I would like to request that at this moment in time I do not have a translator present who can write my sequence of events as I dictate them. It is evident that I will not be able to participate in both events simultaneously, I do not have the time and nor is there a need for me to do so. My objective is to bring into light the events of my life and my biography, and for this it is not necessary for me to worry about or be concerned about precedence and delay. The only thing the readers of the events of my life need to question is: why did I not keep this secretive system hidden and intact?

Birth

The time of my birth and the situation prior to it is so vast and immense that the intellect of mankind cannot begin to comprehend even the most outer boundaries of this knowledge. In order to get this naïve man to understand the situation I have to write every- thing systematically in detail. Because man is a clay statue of inadequate intellectual capacity and due to his restricted intellect and wisdom he is never prepared to believe and accept. And so in order for me to get this immature man to comprehend, I have to meticulously describe the incidents that occurred prior to my birth and explain as to why the situation on earth is in the current state that it is in.

The first thing that I need to explain to you is why the universe was created and how it was created.

How did the universe come in to existence? I am very well versed with the answer to this question and indeed I was taught the knowledge of the universe. But why did the universe come into being? I only have one answer to this question and no one has the nerve to dare to refute the answer.

The Lord Creator was asked:

“O Lord what is your purpose for creating the universe? Why was this whole story play enacted out”?

The reply received from the Most Wise was:

“I was a Hidden Treasure; it correctly came in to my knowledge that I be recognized, so I created the universe.”

i

The Autobiography of the Devil (Iblees)

If you write a biography, then include everything so that people can learn from your positive achievements but also be made to be more cautious from your downfalls and therefore learn to refrain from committing sins.

Ok tell me of this, these autobiographies that you have been publishing, what is the purpose that they serve? Is an autobiography simply a name given to those collection of events that relate somewhat to life, some true, some untrue, which are then compiled in one place and then published? Or is it something else? I notice that every wealthy individual tends to publish the events of his whole life in the form of a book which he spreads around the world. What is the point of all this? Are these people documenting the exact true events of their life? If this is the case then to date I have not yet come across a biography in which an individual has clearly written about his bad deeds and the sins that he has committed. Does no one on earth make mistakes or ever commit any sins? If so then why alongside the good deeds hasn't anyone ever discussed their shortfalls and their failings?

However, I am prepared to let this go, just tell me this; in the days of old, people wrote biographies of their elders. It was expected that amongst ten or twenty commendations and self praises that half a flaw or blemish would be included too. However, in this day and age a new kind of wind seems to have swept across the earth. In all cases an individual himself writes and publishes his own events of life, and so what kind of an autobiography is this where the exact and the complete events of life have not been presented? O wow human creature, wow! Sweet-sweet, swallow! Bitter bitter, spit! And yet you call yourselves human beings, and the best of all creation? I call you selfish and prejudiced!

If you write a biography, then include everything so that people can learn from your positive achievements but also be made to be more cautious from your downfalls and therefore learn to refrain from committing sins. Why have you sieved out only the good deeds as if you have never ever committed a sin?

This has fueled my passion and is the reason why I have been forced to write my own autobiography. For years and years, I have taught the angels, and now I want to educate the people of earth. The readers will have no choice but to learn a lesson from it. They will realize that in writing about the events and activities of my life, I have not tried to exaggerate any of my virtuous deeds and nor have I

V

The Qalandar conscious introduced a code life in 'Monthly Qalandar Shaoor', irrespective of their culture, race, rituals, religion, color or tribe. A conscious growth leads step by step to a peaceful life and self-awareness.

Honorable Mr. Azeemi, highlighted the growing disparity between various sects of society or nation. While explaining the quatrains of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) in March, 2014 issue of 'Monthly Qalandar Shaoor', he said, "The palaces and treasures of Egyptian Pharaohs tell us wealth has always betrayed to the one it belongs. The aim towards individual benefit is the misery of developed nation. Each technological growth became a source of wealth accumulation. A nation, which has corroded the beauty of the Earth for their lust. They diminished the glowing starry nights, spread poisonous atomic fuel in the delighted morning. This is a nation, who robs the smile of flowers. The soul-refreshing bird chirping has become a lamentation. The science and technology has pushed humanity in a dark deep well. The insecure humanity lacks the brightness of Sun and beauty of moonlit. Every breath mankind is taking is poisoned by the waste of atomic explosions, vapors of diesel and contaminated exhaust of jet aircrafts. The pollution has not only tormented humans, physiologically and psychologically but sank their will to live. The deceitful shadows of so called progress, pushed the fearsome and sobbed individual to get away from the technology. But, greedy and selfish genius brain has hunt them down during escape."

Continue..

❁ ❁ ❁

Potato has unjustly earned a bad reputation because of its starchy makeup, leading many to believe that it should be cut out of the diet altogether.

They are not good for health when dropped into a deep fryer. Potatoes are packed with powerful nutrients and antioxidants-compounds that fight free radicals. They are very good source of vitamin B6, potassium, copper, vitamin C, manganese, phosphorus, dietary fiber.

They improve digestion, boost heart health, strengthen immune system, reduce signs of aging, helps skin health, increase circulation, reduce blood pressure, maintain fluid balance, reduce insomnia, and boost eye health etc.

release of gases poison the atmosphere to the level of great disaster at Earth and so does the natural age of human being.

It is mentioned in Rig Veda, "Earth rotates in its orbit, laid by the Ishwar (God). Like a cow, the Earth nurtures beings with water and fruits. It maintains its path without being astray and never goes beyond the limits." (Rig Veda, ashtaka 8, adhyaya 2, varga 10, mantra 1)

Rotation is key phenomenon in the evolution of universe as mentioned in quatrains of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA). It is clearly mentioned in divined books, that all entities in our universe are linked implicitly with each other. Any disturbance or unfavorable event in one part of universe plagiarized the other and destabilize the very existence of cosmic system.

The aggregated conscious of mankind implicate deviously, as highlighted by famous thinker Plato:

"The conclusion of conscious growth over generations of mankind is deceitful and reduce our envision. We are so overwhelmed and attached with these devious thoughts, that human community is looking for new arena to satisfy their conscious or unconscious desires. It is indeed leading to horrific clash of civilization." (Malcolm Heath, Cambridge Press)

We are living in a shattered age of mankind, though claimed global village but individualism dominates. About 2500 year ago, what Plato has foreseen, can be summarized as follows—as it is equally true to present society.

How a culture in individual society can be extended to wide population?

The healthy element in evolution of a nation must be identified!

Though we see merger of various civilizations in past, but what would be common peaceful ground? For example taking food to fulfill hunger desire is an instinctive reaction, but we see that various nations have their individual way to fulfil this instinct. Can we extend the culture?

History reveals that, those isms have gradually disappeared from the Earth which emphasize on only one unique viewpoint of living. We see similar trends in modern age among civilization with a potential desire to dominate! Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) mentioned this dangerous threat in his book Loh -o-Qalam,

"There were many codes of life, enforced during various ages, highlighting either the importance of life here or life hereafter. Eventually, implication of those concepts lead to clash of civilization."

Again, at the end we are still open to the choice of code of life, which maintains the sovereignty as well as greater brotherhood among the mankind.

rather Allah. The knowledge obtained by five senses is reflected in numerous colors, so does the fragrances and sounds we perceived are ultimately nothing but deceptions.

(Note: Readers are encouraged to contemplate over various points raised in this article. Please do consider reference in context in articulating your profound thoughts on the subject and write to us.)

Divined books are the ultimate source of underlying laws behind the phenomenal world. Scientist pertaining neutral thought pattern would find various references from these resources. Unlike pedantic science, these divined laws remain unchanged as revealed in first divined book till the last. As stated in the last divined book, the Quran Kareem, “Wonder if these people contemplate on the birth of heavens and earth? Or introspected open eyes anything which Allah has created? Or maybe they never even imagine, their life time is about to end!” (Quran, 7:185)

During the tenure of Noah flood, scientists started messing with the stable laws of nature which are there to guarantee the safety of all beings. Man was restless, selfish and distressed. The gesture of goodness was taken as other should help under all circumstances but not vice versa. Power symbolizes the dreadfulness, massacre, genocide, and wider extent of slavery. Clever people employed commoners to accumulate pearls and gems. Under the umbrella of peace, anarchy and disease were imposed on Earth.

Neutral thinking leads us to know that all inhabitants of Earth are connected to each other. A filthy and contemptible individual mind brings filth to whole society and eventually to all nation. The remorse and fear inculcated in a society not only spread over the whole nation but poison the neighboring regions and brings destabilization. An incident quoting the great flood is frequently mentioned in divine books and earlier religions which wiped all the inhabited civilizations out on Earth. Honorable Mr. Azeemi, explains the incidence of great flood as follows, “According to spiritual scientists, after every ten thousand years oceans and dry land at Earth swap their locations.” According to the Holocene cycle, the dip in the climate curve indicates that after every ten thousand and five hundred years Earth passes through a drastic change. Scientists have examined one hundred and sixty thousand samples of carbon di oxide, nitrogen, oxygen and sulfur compounds, obtained from Arctic poles. They were surprised to see after every ten thousand years the amount of these gases in the air reach to its climax and curve falls suddenly. This pattern is repeated after every ten thousand years. Scientist assume that at the beginning of this cycle, due to least industrial development and less by-product of gas release in the air makes the atmosphere less polluted. However around ten thousand years this

ii

Figure 4

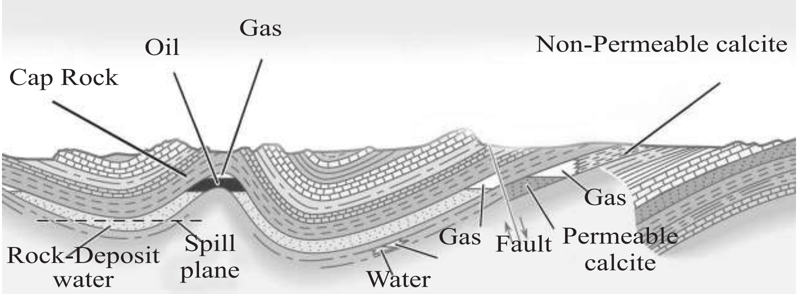

important to learn the governing force, regulation mechanism and stability schemes behind entire phenomenon. A complete system of stable laws of creation can be inferred by careful observation in the underlying description of 'governing forces', 'regulation mechanisms' and 'stability schemes' etc.

Similar conclusions may be extended to the proportionate formation of various imminent natural disasters, such as tsunami. Consider the implication of two core variables i.e., regulation and stabilization onto following phenomenon.

• Earth deceased (or transformed) after every ten thousand years and so does the oceans.

• People born on this Earth every moment and grow through many stages of life. The role of rotational or translational motion of Earth can be elaborated farther.

• Every being is inevitably transforming through life and death.

• Fluid dynamics in human being is spread over the arteries and veins so does inside our Earth.

•How water and minerals such as brass, diesel are produced in the core of Earth? Why their cavities do not mingle with each other? Since eons, how water from fountain of Zamzam (at Makkah) maintains its natural curing power, taste, nutrition and sacredness?

The honorable Mr. Azeemi elaborated the underlying principle in contemplation, as, "Inline with the Allah's command, people who strive towards Allah, Allah reveals all the possibilities on them." This quotes indicate availability of large number of choices, heading towards Allah.

The outcome of thought pattern introduced in 'Monthly Qalandar Shaoor' is imbued with Qalandar conscious (i.e., detachment). A thought pattern, modulated with nothing but Allah—the only agency, mind of One and only who says, 'Such people think with My thoughts, observe with My vision, listen with My hearing aid, talk with My words.' Dear readers, in this scenario, one can well imagine where five senses stand?

What we observe or listen in our daily lives is not our property,

i

The Death and Birth of Oceans

How water and minerals such as brass, diesel are produced in the core of Earth? Why their cavities do not mingle with each other? Since eons, how water from fountain of Zamzam (at Makkah) maintains its natural curing power, taste, nutrition and sacredness?

Translational and rotational motion can be identified here, such object program is displayed on screen. Light rays are transformed or descend to combine due to their opposite poles in a rotational motion followed by translator motion of same displayed point. Natural processes are executed without any delay or paucity of resources. Translational motion obtained its natural energy and proceeded to next phase of creation, where rotational motion shapes up the next phase. In this way Earth (acting as screen) displays the upcoming phases of an object, beginning from illusion to maturity. Readers can clearly understand why during the creation of an object on the screen of Earth has to go through various phases under inevitable movement, whether rotational or translational. It does depend on the evolution or devolution. Similar observations can be made during the creation of living object, we left such analysis to the students pursuing their career in medicines.

All beings grow up from infancy after their reproduction process. A mountain reproduces mountain, oceans from oceans, peacock from peacock, camel from camel, palm dates from palm dates, an apple from an apple, tidal phases in oceans, seasonal changes, two fold lives of every individual being , sleep and awake, exemplify the duality of formation process. For instance, the production of iron is mentioned in Quran Kareem as,

"We descended Iron for the human being and it is beneficial for mankind" (Quran , 57:25)

Rig Veda, ashtaka 1, adhyaya 8, mantra 3 mentioned that, "Pidar vidya (Physics) can be used to manufacture ships with the help of wood and metal, powered by the water and fire to sail"

Contemplate on the verse of Quran Kareem, "We descended Iron" (Quran, 57:25). However Iron is extracted in form of ore during a sophisticated process, followed by purification. Insha Allah readers will be enlightened with the viewpoint of students on the iron descend pursuing career in engineering.

Aforementioned scenarios where peacock is produced by peacock, sparrow from a sparrow, one might concern about the cross pollination. Enthusiastic readers are encouraged to refer plants water mechanism in Figure 4.

It is mandatory to identify the equations formulating the diversity of activities and the interaction between components. It is also

ii They then begin a mutual rivalry for amassing as much wealth as possible with others.

They spend the gift of unlimited energy given to him by Nature, on the greed of wealth.

When one thinks that whatever they earn is due to their own strengths and merit, the seeds of rebellion and revolt are sowed into their thinking pattern. When these seeds grow into large trees, one becomes akin to Korah and their relationship with God breaks down.

In order to reduce the importance, we give to this world in our mind, it has been advised in many places in the holy Quran to spend wealth on the creations of God with an open heart. To spend for the sake of God through legal earnings is said to be a way of thanking the Lord.

"By no means shall ye attain righteousness unless ye give (freely) of that which ye love." (Quran, 3:92)

"They ask thee how much they are to spend; Say: 'What is beyond your needs' " (Quran, 2:219)

Spend more and more for the creations of God by keeping the above instructions of God in mind. Start with your relatives, and then include others in need. Please remember however, that whatever you spend must be for the sole purpose of pleasing God. You must not spend for any ulterior motives such as seeking favours in return or elevating your popularity. Help anonymously so that you do not feel pride at your good deed, and so that the person you've helped can retain their self-respect; and never remind someone of charity you have given or show-off after having done so.

One day, the prophet Muhammad (PBUH) asked the attendees of a gathering,

"Do you know who is truly bankrupt?"

The attendees replied,

"O' messenger of the God! The one who is bankrupt is the one who does not have any provisions."

The messenger of the God (PBUH) replied,

"From my followers, on the day of judgement a bankrupt person will be that person who will bring all prayers, fasting, zakat but will have abused someone in this world, blamed someone else, appropriated someone else's wealth, or killed someone – all of his good deeds will finish before the payment for his evil deeds. Later, the evil deeds of others, to whom he did wrong, will be put against his name, and he will be handed over to hell."

The rights of others begin with your relatives, of whom your parents are most deserving. Caring for your parents is your very first responsibility. Working for lawful earnings to provide for your family and educating your children is also included in these rights. After that

Prophet Shuaib (PBUH)

When one thinks that whatever they earn is due to their own strengths and merit, the seeds of rebellion and revolt are sowed into their thinking pattern. When these seeds grow into large trees, one becomes akin to Korah (Qaroon) and their relationship with God breaks down.

If we contemplate on this message, we are guided towards the core element of faith, which is to want good for others. We must not treat others wrong if we cannot do anything good for them.

God is our ultimate guide, best friend and the One who cares for us the most. God defined principles for us to live by to make our lives better, and then communicated these to us via His messengers. These principles are such that God Himself does not need them nor does He gain any benefit from them. They have been created solely for us and our benefit. 124,000 prophets have informed mankind of the progeny of Adam, and of the concept of good and bad. They taught us rules and how to recognise the Unseen God and worship Him.

God humiliates and ruins those nations who disobey Him and worship wealth instead. This is not some myth or tale; there is existing evidence around the world. Kings of huge kingdoms and residents of big luxurious palaces are found as ruins all over earth. An emperor of Iran, whose family ruled Iran for 2500 years, died helplessly. He was not even honoured with two yards of land for his grave in his own country.

"Do they not travel through the earth and see what was the End of those before them? They were even superior to them in strength, and in the traces (they have left) in the land: but Allah did call them to account for their sins, and none had they to defend them against Allah." (Quran, 40:21)

The law of God is such that the mistakes of people are ignored until a time when the mistakes begin to interfere with the system created by the Lord. When wrongful actions disturb the creative system of God, then the system of punishment activates and nations are engulfed in a painful reprimand. The law of God strips that nation of its ruling power and makes them slaves in comparison to other nations. This punishment is apt, as the nation had become a slave of wealth. They had chosen to be slaves to temporary and short-lived things. Wealth is a great weakness of mankind.

"And violent is he in his love of wealth" (Quran, 100:8)

There are those who think that gold and jewellery will fulfil their needs and so pile up their wealth.

ماورائی ہستی

روحانی سائنس کا طالب علم اپنے مشاہدہ اور تجزیہ کی بنا پر اس مقصد سے آشنا ہوتا ہے کہ کائنات میں عناصر کی ترتیب، ہم آہنگی، نظم، افادیت و مقصدیت کورچشم شعور کی کارفرمائی نہیں ہے۔کوئی طاقت ہے، کوئی ہستی ہے جس کے حکم پر ازل تا ابد نظام حیات و کائنات قائم ہے۔

Divine force

The student of spirituality, on the basis of its observation and analysis, is able to understand that the arrangement of elements, their harmonious cohesion, discipline, effectiveness and objectives are not the work of an ignorant mind. There is a force, an entity, on whose command the system of universe is established from advent to the end.

AZEEMIA SPIRITUAL &
HEALING CENTRE
MISSISSAUGA CANADA
مُراقبہ ہال کینیڈا
Email: mhcanada@hotmal.com Phone: 1-905 2811928

iii carries strong belief, and it is this ability that allows them to succeed.

Children grow older and become adults. Adults grow older still and eventually perish. Nothing is permanent in this world, so why is it that we live our life as if we won't leave this world? We attend funerals and acknowledge that someone's time had come, and then continue on with our lives as if it won't happen to us.

We are reminded that life takes place in our every breath. These breaths combined are our life, our experience and our journey. In this process, we call life, we struggle to accomplish goals we have set ourselves. Our success is completely dependent on how strong our faith is deep down. It is dependent on how persistent we are and on how optimistic we are when facing failure. Success is dependent on a mind-set: the mind-set of children.

Children are commonly mistaken to be 'young humans' with little to no understanding of the way the world works. They rarely come across as worried or stressed, and are carefree or detached from everything. If we could consciously adopt this mind-set once more, not only would we experience true happiness once more, but we would also be able to utilise it to change the world for the better. Everyone always says that they wish to make the world a better place. Where better to start than deep within our own hearts? If we were to understand and practice upon this, we could bring about a bright future, one of lasting peace for the children of the world.

Many of us wish to serve God's creations. Helping others doesn't require a big bank balance; it demands a strong conviction to help others with whatever we have. Goals take time and effort, and may even cause us pain, as we work hard to put a smile on others' faces. Time will wait for no one, and the only things we'll take with us to the afterlife, are our experiences.

So, let's start looking at our life with the eyes of a child. Let us tell those who love us that we love them too, as a child does. Let us focus on the present and all of its opportunities, as a child would. Let us love the world, and spread happiness to everyone; just like a child.

May there be a lasting peace for
the children of the world.

Tailorbird gets her name due to its extraordinary sewing skills. She uses her bill as a needle and with the help of plant fibre, insect silk, or even household thread, two edges of a large leaf are pierced and sewn together to form a pouch in which the nest is built.

ii Is it not strange that though we came into this world and will leave with nothing, we put so much value on material things? Why do we not recall our purpose in life with the little time we've been given?

The same situations that would once give me joy in the past no longer do. It is the same setting, and yet something inside me has changed. I feel that I've distanced myself from who I really am. How have I degraded from bliss to emptiness?

From birth till roughly three years of age, we are completely dependent on our parents. We then develop a slight separation and begin to make choices ourselves, understanding that choices must be made for an action to occur. Whatever the choices are, regardless of how big or small, whether desirable or not: a decision for action must be made. Sometimes the process works in our favour, and on other occasions it does not.

This process of trial and error, of success and failure, allows our conscious to understand the multiuse nature of things. For example, a glass with hot tea or cold water. As a child, it may first seem odd, but eventually you will understand that the fluid in the container can be either hot or cold. Fire is another example. It can be used to heat food, make metallic compounds or work an engine. Yet it can also be used for weaponry. So, whilst fire does indeed produce benefits, it also has a share of negative uses.

This system is present in everything in life. Any object or situation can be viewed from numerous angles. Some people view things with a liberal angle and others with one more conservative.

Our circumstances are a hand we're dealt, and there's nothing we can do about it – we have no choice in the matter. What we do have a choice in however, is the angle we view our circumstances under.

A child recognises that they can make many choices, but always seem to choose the one that comes more naturally to them than it does to adults: the choice to remain happy. It's ironic that we spend our entire lives in the search of happiness, and it slips our mind that happiness is a choice. Circumstances bind us but our outlook is a free choice.

When we choose to be happy, we are instantly relieved of a burden we place on ourselves. In this state, there is no hatred, doubt, prejudice, greed, anger, fear or grief. Happiness is a state that we can share with others; it is a light that we can illuminate in hearts.

Children, free from responsibilities in their youth, live life to the fullest, adding colour to the dull grey circumstances they may be living with. A happy child in a family will bring happiness to everyone within the family. A child

i

Child at Heart

Many of us wish to serve God's creations. Helping others doesn't require a big bank balance; it demands a strong conviction to help others with whatever we have.

I remember as a child I would walk on grass, carefree with an appetite for adventure. Warm sunny days were when I would play football with my friends. The winds were still somewhat sharp however, and the sun lay high in the sky during mid-afternoons. With every heart beat I felt a sense of joy and was content knowing that a new adventure lay ahead of me, just waiting to be discovered. Why is it that my youth was filled with imagination, wonder, and optimism? Why is it that now my life seems to be filled with nothing but pessimism? Why does life seem to burden me with an unseen weight that somehow makes me view the world through a lens of doubt and uncertainty, where nothing is seen for what it really is?

Why can't I be who I once was? What is it in the past that made me feel alive? Why does nostalgia tug at me? I can't become seven years old again, I know that for certain. That time has long gone and won't ever return no matter how much I may wish for it. If I close my eyes, I can experience my childhood within a fraction of a second. But why do I miss the past? Why am I not the same as I was then? What has led me to become who I am now, the 'me' that seldom stops to appreciate the present as I did in days gone.

Over the years, I've wanted to understand my true self. I've seen myself and others my age all looking for some form of clarity. We find ourselves in competition with the rest of the world, looking for a way to establish ourselves. We become restless. What should we do? How should we achieve our goals? Some of us take bold steps like a child might – leaps of faith – while others stay stuck in a daydream.

You will notice that those who succeed in life keep their simple, child-like attitude well into their adulthood. Their belief, that they can do if they try, is the key component to their success. They do not shoot down their peers, nor do they judge – they always remain neutral.

As the majority of us become adults, this 'childish' mentality changes as we fall prey to many vices that disturb our beliefs and cause our faith to shatter. We become so consumed by our own desires that we forget to appreciate the moment we live in. In our obsession, we forget to smile, laugh and develop meaningful relationships. We tend to respect only that which can benefit us in some way.

V there, and we cannot pass through our own self, so what can I do?”

I was ordered,

“O Bayazid! Your freedom from your self is linked to following and obeying my beloved Prophet Muhammad (PBUH). Make his footsteps a guide for your life.”

Hazrat Data Sahib (RA) said,

“The story is quite long and Sufis call it the ascension of Hazrat Bayazid Bastami (RA). Ascension meaning getting closer to God.”

Hazrat Bayazid Bastami (RA) used to remain in deep immersion in the last days of his life. At the time of his departure from this world, he was reciting the name of God. He went to be in the presence of the True Creator at mid-night, 15th Shaban 261 Hijri.

Everything is from God and to Him we shall return.

After his departure, the wife of Hazrat Ahmed Khizrawiyah (RA) asked people,

“Do you know who Bayazid (RA) was?”

The people replied, “Please do tell us.” She said,

“One night I was circling the Kaaba, when I sat down for a moment and fell asleep. I saw in a dream, that angels took me to heaven. I saw a vast garden under the throne of God and it was written on the flowers: Bayazid (RA) is a friend of Allah.”

A man found the cocoon of a butterfly. One day a small opening appeared. He sat and watched the butterfly for several hours as it struggled to force its body through that little hole. Then it seemed to stop making any progress. It appeared as if it had gotten as far as it could and could go no further. So he decided to help her. He took a pair of scissors and snipped off the remaining bit of the cocoon. The butterfly then emerged easily. But it had a swollen body and small, shrivelled wings. He continued to watch her because he expected that, at any moment, the wings would enlarge and expand to be able to support the body. Nothing happened! In fact, the butterfly spent the rest of life crawling around with a swollen body and shrivelled wings. What the man in his kindness and haste did not understand was that the restricting cocoon and the struggle required for the butterfly to get through the tiny opening were God's way of forcing fluid from the body of the butterfly into its wings so that it would be ready for flight once it achieved its freedom from the cocoon.

"O Lord, every single body is a fragment of your excellence! The blessing of the Lord is spread everywhere! O Khawaja, your soul is very bright but there is a black dot on your heart." Listening to the sadhu, Hazrat Khawaja Ghareeb Nawaz (RA) said,

"You are right."

The sadhu was really surprised and said,

"This dot does not look good on a soul that is bright like the moon. Can this be removed with my spiritual powers?"

Khawaja Ghareeb Nawaz (RA) said,

'If you like, this black mark can be removed."

The sadhu was overwhelmed and with tearful eyes and twitching lips, said,

"My life is devoted to you."

Khawaja Sahib (RA) said,

"This dot will be removed if you believe in the messenger of God, Prophet Muhammad (PBUH)."

The sadhu could not understand but followed the order. He cleansed his inner self from the dirt of the earth and accepted the belief that Muhammad (PBUH) was indeed the beloved messenger of God. Khawaja Sahib (RA) said,

"Look again through your soul's eye."

The sadhu looked again and saw that the heart was free from the black dot. With his hands folded, he begged Khawaja Sahib (RA),

"Please explain to me this unbelievable occurrence else I may suffocate."

"Listen, the enlightened heart in which you saw the black dot was actually your own. Even after such hard struggles, you have not acquired any Sufi knowledge. Sufi knowledge is such that the heart of a person is a mirror, and you see your own reflection in the mirror of every other person. When you saw the bright soul inside me, you actually saw your own reflection. You had a black dot on your soul as you did not have belief in Prophet Muhammad (PBUH) as the messenger of God. When you recited the first creed, you then saw your bright reflection without the mark, in my mirror."

Hazrat Bayazid Bastami (RA) said,

"I saw that they took me into the heavens. My soul did not look at anyone. Heaven and hell was shown to me but my soul did not pay attention to them. They took me beyond the universe and its veils. I became a bird. The body of the bird was of Oneness and the bird's hair and feathers were made of eternity, and I flew in this atmosphere forever, till I passed it. I understood the very beginning of the universe and saw the Tree of Oneness in a field. When I looked carefully inside I saw myself in it. I said,

"O Lord, I cannot find a way to meet you while my own self is still

iii and see what happens. By using any one of His names, you can fly from east to west in a moment."

Upon hearing this, the visitor asked,

"Glory to the Lord; is it really possible?"

He replied, "Yes, it is possible."

"Every name of God is His attribute. Every attribute of God is active as per the law of Nature. Every attribute has power and life in it. The effects of the name are bound to happen when we read it repeatedly. If we do not get the required benefits, then we need to evaluate our deficiencies and wrong actions. When taking medicine, we know that it is necessary to exercise self-control or avoid certain things, and if we don't do this, then the medicine becomes ineffective. To avoid the diseases of deficiencies and wrong doings we have to earn lawful earnings, dislike lies, love the truth, show kindness towards God's creatures, be consistent in our speech and actions, dislike hypocrisy, avoid causing mischief and trouble, and avoid being rude and proud. Any hypocrite, whose heart is as hard as stone, and who considers God's creatures as inferior to them, and considers themselves superior, cannot benefit from the power of the names of the Lord. It is necessary to develop the above stated qualities before repeating any name of the Lord." (Kashkol by K.S Azeemi)

In the book Keemiya-e-Saadat, Imam Ghazali (RA) has stated,

"A disciple of Hazrat Abu Turab Nakhshabi (RA), used to remain in a state of deep immersion. One day, Hazrat Abu Turab Nakhshabi (RA) said to him,

'You should see Bayazid (RA).'

The disciple replied,

'My mentor, I am busy with seeing the Lord.'

Once more, Hazrat Abu Turab (RA) made the same request on a separate day. The disciple said,

'What is the secret behind seeing Hazrat Bayazid (RA), when I have already been blessed with seeing the Lord?'

Hazrat Abu Turab (RA) replied,

"You see (the Lord) as per your own capacity, but if you meet Bayazid (RA), you would see with the capacity of Bayazid (RA)."

Khawaja Shamsuddin Azeemi tells the story of when a sadhu (Hindu sage) came to visit Khawaja Ghareeb Nawaz (RA). By performing spiritual practices, the sadhu gained a status where the material body appeared as a body of clay – a clay that stinks when it decays. When one sees a human body as merely particles of earth, they then witness another person (of light) around the (physical) person.

The sadhu looked deeply at Khawaja Ghareeb Nawaz (RA). His semi opened eyes got focused on him and he said,

'What you are going to tell people when you return to the city?'

She replied,

"I will tell them that today I saw a cruel person."

"Why?" I asked. She replied,

"Does this lion have a choice? Is this not cruelty that you are causing trouble to a creature that was not troubled by God? Do you really want people to consider you a wonder worker?' I repented profusely and the words of the pious lady became a guide for me."

Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) said,

"Wonder working and super natural activities are really not unusual. Such activities are usually carried out unconsciously and not deliberately. People see it and call it wonder working but it is in fact not worthy of the name. Sufi knowledge and spiritualism are very different. Wonder working and supernatural activities are performed consciously; it is a characteristic that can be activated through practice."

Hazrat Bayazid (RA) says,

"The activity that I considered the least important was in fact the most important – caring for and looking after my mother. In my own home, God provided me with an opportunity to gain Sufi knowledge that I was looking for elsewhere. One day, my mother asked me for some water and our water container was empty. I went to the stream to fetch some and by the time I got back, my mother had fallen asleep. I waited for her with glass full in my hands in the cold. My mother woke up and was very pleased when she saw me waiting for her with the glass of water in my hand. She drank it and prayed for me."

Hazrat Yahya Bin Maaz (RA) said,

"One night I saw Hazrat Bayazid Bastami (RA) performing a very long prostration during prayer and then stand up. I kept watching him. After prayers, he also became attentive to me. I requested that he please inform me of his feelings. He replied,

"Today, God made me visit the positions of great angels from the position of the lowest of the lowest, and then asked me what I wanted. I said that I did not want anything from it. I then heard the reply that indeed, I am only, and only His servant."

Someone once came to visit Hazrat Bayazid (RA) and said,

"I came to know that you are aware of Ism-e-Azam (the Great Name of God). Please tell me what it is?"

Hazrat Bayazid (RA) replied,

"Which name of God is not Ism-e-Azam? Enlighten your heart with the divine light of Oneness.

Throw other lords out of your heart then call Him with any name

Every Heart is a Mirror

When I looked carefully inside I saw myself in it. I said, "O Lord, I cannot find a way to meet you while my own self is still there, and we cannot pass through our own self, so what can I do?" I was ordered, "O Bayazid! Your freedom from your self is linked to following and obeying my beloved Prophet Muhammad (PBUH). Make his footsteps a guide for your life."

Hazrat Bayazid (RA) said,

"When I went for Hajj for the first time, I saw the house of God. When I went there the second time, I saw the Owner of the house."

Hazrat Bayazid (RA) saw God in a dream and asked,

"O God! What is the procedure to reach you?"

The reply came,

"If you escape your self-centred life, then consider that you have reached me."

A person visited Bayazid Bastami's (RA) home and called out to him.

He replied,

"Who do you call for?" The visitor said,

"Bayazid."

Bayazid (RA) replied,

"It has been thirty years since I started my search for Bayazid myself, but I cannot find any sign of him."

Someone told Hazrat Zulnoon Misri (RA) a story about Hazrat Bayazid (RA). The reply was,

"A group of people are immersed in God and my brother Bayazid (RA) is one of them."

There was a disciple who stayed with Hazrat Bayazid (RA) for many years. Every time Hazrat Bayazid (RA) called the disciple, he had to ask for his name. One day his disciple said,

"My mentor, I have been in your service for twenty years. Perhaps you ask me my name for fun?"

Hazrat Bayazid (RA) replied,

"I do not do it for fun. The name of God has removed all other names from my mind. Even when I memorise your name, I forget."

Hazrat Bayazid (RA) was once asked by people,

"Who is your spiritual mentor?"

He replied,

"A pious lady. One day I was deeply immersed in thought and a pious lady came and gave me a container of flour asking me to keep it for a short while. I instructed a nearby lion to come to me and I placed the flour container on him to lessen my burden. I later asked the pious lady,

iv The message underline is difficult to grasp, but indulging effort to understand makes it easy to understand. There was a tree of Cera on the bank of river. Once a heavy flood ripped all the trees at bank away, even hundreds of years old vanished. Cera tree also became one victim, but he was surprised to see Narsil Tree (a white tree of Gondor) was still intact, as nothing is changed around him.

Cera tree asked him, what is the secret of your stability? Narsil Tree answered, let me explain to you the secret that saves me from potential dangers. He said, I don't fight with others, neither get stubborn nor become ego-maniac before enemies. I don't make issues to any trivial matter. I show humiliation to any enemy who is after me.

Quran Kareem mentioned that,

"The ones who spend (for Allah's sake) in prosperity and adversity, and those who control anger and forgive people. And Allah loves those who are good in their deeds." (Quran, 3:134)

Readers, can you describe the gist of 'Message of the Day', presented here? If it is a sequel of narration, then identify vibrating words which created annoyance. But it is not the gist.

Without paying attention one cannot hear any cogent point uttered from the mind of a writer. What utters are vibrations. Light vibes are soothing as compared to the harsh ones.

How this message is reflected on you, light, heavy, most likely or unlikely—a compilation of various viewpoints!

How did you perceive and comprehend the nature and significance of 'Message of the Day'? Do write to us.

Allah Hafiz

iii stable long tree, it is required for a tree to grow higher and higher, to have widely spread roots in soil. Because what has to appear, has to be a reflection of hidden perspective.

It is independent of spatial distances, link between the two aspects is never discontinued and focal point is the life line.

Readers! You read about soil, can you describe the nature of soil? It is the hidden aspect that is (*Ghaib*). The transformation in mother's womb is continuous. The stages of a child creation from decomposed water to a blooming innocent infant are nothing but appearance of a vivid and hidden reality.

The process of growth varies through two aspects disappear (*Ghaib*)—appear (*Hazir*)—disappear (*Ghaib*). The process can be formulated into a tri-fold dynamics.

Disappear (*Ghaib*)—Appear (*Hazir*)—Disappear (*Ghaib*) It is mentioned in Quran Kareem,

> "From this dust, We created you, and in this we shall put you back, and from this We shall raise you up once again." (Quran, 20:55)

It forms an entity—one unit. The apprehension of one unit is a moment in life. Childhood, adulthood, old age—the inhale, exhale process—a day vanished into another day—the sunset and sunrise are all impressions of this very tri-fold dynamics of disappear (*Ghaib*)—appear (*Hazir*)—disappear (*Ghaib*).

What is life? Let's exemplify—

A drama writer composes a play, collecting all the good and bad attributes of a society. The behavior of an individual in the play characterizes him and reflects inclination. Whether a play or home—despite the difference in situation or presentation, story is usually similar.

History witnesses this very fact, neither a situation nor a role is different. A cogent observation leads us to conclude, behavior is life. Whether it is a story of drama or life, it is a behavior.

One may ask what behavior is. If it is a reaction to an action, then considering reaction an outcome of an action what would be action?

While resolving dilemma of behavior, student asked his teacher, 'How one can understand an action and how a reaction can be described?'

Teacher answered, 'Refuse to submit an action is a reaction. If you don't refuse, what remains is an action.'

i

Message of the Day

Life—a life—what is a life? Life is composition of senses—starvation, thirst, love and affection, hatred and despise, pledge and misery, watching and listening, apparent and hidden aspect of observation, speaking, perception and feeling, thoughts and illusions are laid on “vertical and horizontal axis”.

The vertical and horizontal are stretched so close to each other, the space between them is not prominent.

For instance, a cloth or a canvas is embedded with similar architecture of vertical and horizontal axis. When a picture is drawn on the canvas, it represents itself. Reflecting iridescent colors, narrating a self, listening others and maintaining silence—but it speaks and listens. Read this paragraph three times.

Mercurial world—it is an outcome of appearance and diminishing of objects, an instance of action and reaction. It is hard to explain the temporal nature of world, neither a dictionary can add the narration, however it can be exemplified to elaborate the intricacies of subject matter.

Life is staged in steps, following a pre-defined equation, that is:

Water + Dust = Mud ➡ Human (*Insaan*)

> “We have created man from an extract of clay. Then We made him a sperm-drop in a firm resting place. Then We turned the sperm-drop into a clot, then We turned the clot into a fetus-lump, then We turned the fetus-lump into bones, then We clothed the bones with flesh; thereafter We developed it into another creature. So, glorious is Allah, the Best of the creators.” (Quran, 23:12-14)

Salaala (extract) is primary seed. Mother’s womb is the soil for seeding. Fertilization is the fusion of haploid gametes, egg and sperm, to form the diploid zygote. The place of fusion is called in divined books *Qarar Makeen* (stable place). The sperm binds through the corona radiata, a layer of follicle cells on the outside of the secondary oocyte.

Fertilization occurs when the nucleus of both a sperm and an egg fuse to form a diploid cell, known as zygote. The successful fusion of gametes forms a new organism.

The sperm must undergo capacitation in the female's reproductive tract over several hours, which increases its motility and destabilizes its mem-

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Every Heart is a Mirror	Muhammad Zeeshan	168
Child at Heart	Sohaib Rana (UK)	163
Prophet Shuaib (PBUH)	Extracted	159
The Death and Birth of Oceans	Dr. Naeem Zafar (UAE)	155
The Autobiography of the Devil (Iblees)	Nasser Abbas (UK)	150
Tiny Creations	Qudsia Lone (Canada)	145

We tried reasoning
our way to Him.
It did not work;
but the moment we gave up,
no obstacle remained.

Hakim Sanai (RA)

Vol 5 Issue 1 | February 2017 | Jumaad-al-Awal —1438AH Jumaad-al-ukhra

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor

Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.60/- Per issue. Annual subscription Rs.820/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

OPENING SOON

BOULEVARD MALL

A project of:

HERO CONSTRUCTION

Boulevard Mall, A/14, Auto Bhan Road, Hyderabad

UAN: 022 111 169 425 | Toll Free: 0800 69425 | Fax: 022 388 5280 | Email: myhcl.info@gmail.com

Meditation of Blue Light

Meditation of blue light helps in attaining peace. It strengthens belief if practised under the supervision of a spiritual teacher. Blue light enhances creativity and is instrumental in getting rid of mental disorders, depression, inferiority complex and weak will power.

Khawaja Shamsuddin Azeemi

~ Like us on Facebook ~

English translations of Mr. Azeemi's work available.

https://www.facebook.com/BlueroomCanada

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

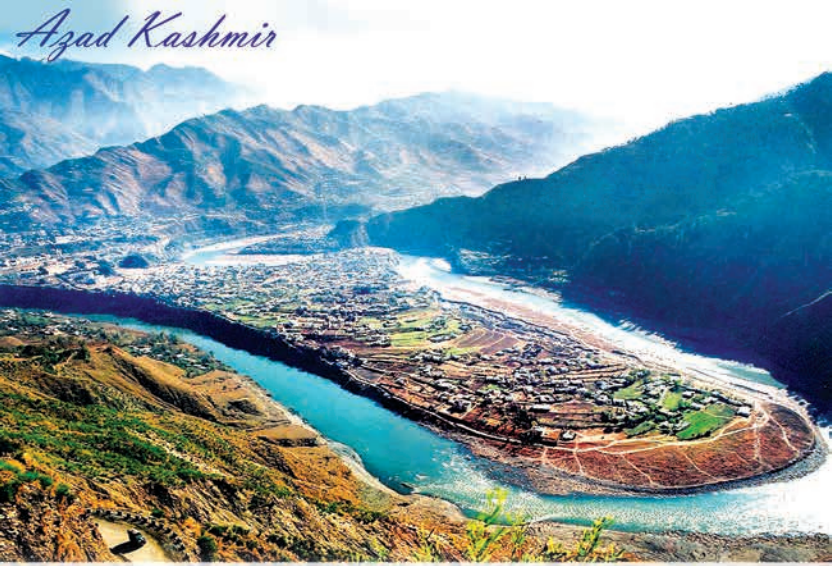

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

حکیم ایلوویرا شیمپو

Repairs
Damaged Hair

- نرم وملائم چمک دار اور صحت مند بال
- خشکی کا خاتمہ

جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ تیل

روغن
پرسیاؤشاں

- گھنے، لمبے اور چمکدار بالوں کی نشو ونما کے لئے
- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

TOYOTA HYDERABAD MOTORS
A/41, S.I.T.E, Auto Bhan Road, Hyderabad, UAN #: (022) 111 555 121 , Fax: (022) 3885126
email: toyota.hyd@cyber.net.pk, web: www.toyota-hyderabad.com